احیائے اسلام و امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جون 2023ء

حسنِ خلق اور مقامِ محمدی ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و روحانی خصوصی خطاب

حج اور قربانی کی فضیلت

فلسفۂ خودی: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

مقصدِ حیات اور حقیقتِ دنیا

قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ

حیات و تعلیمات

شازیہ مرتضیٰ شہید | تنزیلہ امجد شہید | محمد عمر صدیق شہید | غلام رسول شہید | محمد اقبال شہید | محمد عاصم حسین شہید | شہباز مصطفوی شہید | حکیم صفدر حسین شہید | رضوان خان شہید | خاور نوید رانجھا شہید

سانحہ ماڈل ٹاؤن کے 9 برس

تقریب عرس مبارک حضرت فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 37 / شمارہ: 6 / ذوالقعدہ ۱۴۴۴ھ / جون 2023ء

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈا پور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسنِ ترتیب

اداریہ: شیخ الاسلام کے قلم سے قرآن مجید کا انگریزی زبان میں براہِ راست ترجمہ	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: حسنِ خُلق اور مقامِ محمدی	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	5
الفقہ: مسائلِ حج اور قربانی	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	14
فلسفۂ خودی: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں	ڈاکٹر شفاقت علی شیخ	20
اسلامی احکامِ وراثت	ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن باروی	25
سانحۂ ماڈل ٹاؤن کے 9 برس	نعیم الدین چودھری	30
مقصدِ حیات اور حقیقتِ دنیا	عبدالستار منہاجین	36
حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانیؒ	خصوصی تحریر	42
رپورٹ: عرسِ مبارک حضرت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ	حافظ عبدالقدیر	47

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ 60 روپے | سالانہ خریداری 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کیے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک فیصل ٹاؤن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

حمد باری تعالیٰ

تو ہی رحمٰن ہے رحیم ہے تو
میرے مولا! بڑا کریم ہے تو

انجمن انجمن ترے جلوے
بوئے گل ہے کہیں شمیم ہے تو

ہر کوئی سرنگوں ہے تیرے حضور
ہر شہنشاہ سے عظیم ہے تو

دور ہے آنکھ کی رسائی سے
اور دلوں میں سدا مقیم ہے تو

ہے ترے پاس سب حساب عمل
کاتب و محرم و منعم ہے تو

تیری رحمت، کہ کوئی حد نہ شمار
اور کرم گستر و حلیم ہے تو

تجھ سے پوشیدہ کب عمل ہے کوئی
سب تجھے علم ہے علیم ہے تو

صابری، پُرخطا ترا بندہ
طالبِ فضل ہے، رحیم ہے تو

(محمد علی صابری)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

اُسوہ ہمیں سرکار کا محبوب ہوا ہے
اللہ کو بھی پیاری محمد ﷺ کی ادا ہے

پڑھتا ہے درود احمدِ مختار ﷺ پہ جو بھی
سمجھو کہ صفوں میں وہ ملائک کی کھڑا ہے

رہتے ہیں مرے خانۂ دل میں وہ ہمہ دم
سرکار کے رہنے کو یہ دل گنجِ حِرا ہے

یہ طرزِ سخن بھی ہے کرم شاہِ اُمم کا
مدحت کا قرینہ بھی اسی دَر کی عطا ہے

دیتا ہے توانائی مجھے حمد و ثنا کی
وہ نورِ محبت جو مرے دل میں بسا ہے

ہر لحہ مرا ہو جو بسر نعتِ نبی میں
سمجھوں گا کہ دنیا میں بڑا کام کیا ہے

یہ کیف ثناؤں کا جو ہے مجھ کو ودیعت
سب صدقۂ بوصیریؒ و حسانؓ و رضاؒ ہے

الفاظ و تراکیب و معانی یہ تخیل
بس ان کی عنایت سے قصیدہ یہ لکھا ہے

ہمذآلی ہے فیضانِ نگاہِ شہِ عالم
جس کو بھی ملا، جتنا ملا، جو بھی ملا ہے

(انجینئر اشفاق حسین ہمذآلی)

ادار یہ

شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے قلم سے قرآن مجید کا انگریزی زبان میں براہِ راست ترجمہ

15 مئی 2023ء کا دن جملہ اِسلامیانِ عالم کے لیے بالعموم اور مغربی دنیا میں بسنے والی انگریزی دان نوجوان نسل اور تحریک منہاج القرآن کے لیے بالخصوص باعثِ تشکر و اِمتنان ہے۔ یہ وہ مبارک اور فرحت آثار سوموار کا دن ہے، جب قبل از مغرب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مد ظلہ العالی کو قرآن مجید کے عربی سے براہِ راست انگریزی زبان میں ترجمہ کی تکمیل کی یگانہ و منفرد سعادت نصیب ہوئی ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ.

قرآنی تراجم کی تاریخ میں قرآن مجید کا سب سے پہلا مکمل ترجمہ نویں صدی عیسوی میں یونانی زبان میں ہوا۔ ملتِ اِسلامیہ میں پہلا ترجمۂ قرآن شیخ نظام الدین نیشاپوری (م 728ھ) نے فارسی زبان میں کیا۔ لیکن برصغیر پاک و ہند میں جس فارسی ترجمۂ قرآن کو شہرت حاصل ہوئی وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م 1174ھ) کا ’’فتح الرحمان بترجمۃ القرآن‘‘ تھا۔ بعد ازاں قرآن مجید کے متعدّد زبانوں میں تراجم ہوئے۔ لیکن یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی مترجم کو براہِ راست عربی متن سے دو زبانوں میں ترجمۂ قرآن کی تکمیل کا فقید المثال اِعزاز حاصل ہوا ہے۔ قبل ازیں ترجمۂ قرآن کی تاریخ میں مترجمین کے ہاں صرف اپنی مادری یا قومی ایک ہی زبان میں ترجمہ کرنے کی مثالیں ملتی ہے، جسے بعد ازاں دیگر مترجمین نے دوسری زبانوں میں منتقل کیا۔

یاد رہے کہ شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ نے 20 جولائی 2005ء کو وقتِ تہجد 3 بج کر 20 منٹ پر اُردو ترجمہ ’’عرفان القرآن‘‘ مکمل کیا تھا۔ بعد ازاں 2006ء میں شیخ الاسلام کا انگریزی ترجمۂ قرآن *The Glorious Qur'an* کے نام سے شائع ہوا۔ یہ دراصل اُردو ترجمہ ’’عرفان القرآن‘‘ کا ہی اِنگلش ورژن تھا۔ واضح رہے کہ اُس وقت جدید انگریزی زبان میں قرآن مجید کے تراجم مارکیٹ میں عُنقا تھے، تاہم قدیم اَدق انگریزی زبان میں لکھے گئے پرانے تراجم موجود تھے۔ لہٰذا *The Glorious Qur'an* کو اُس وقت کے اِعتبار سے ایک ممتاز اور جدید ترین ترجمۂ قرآن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اب اس ترجمہ کو سترہ برس گزر چکے ہیں۔ ضروری تھا کہ مغربی دنیا میں پروان چڑھنے والی نوجوان نسل کو جدید اور مروّجہ انگلش زبان میں قرآن مجید کے معانی و مفاہیم سے آگاہی دی جائے۔

اِس ضرورت کے پیشِ نظر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے عہدِ حاضر کی جدید، مروّجہ اور متداول انگریزی زبان میں براہِ راست عربی متن سے ترجمۂ قرآن کیا ہے۔ بحمد اللہ! اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے یہ تراجمِ قرآن بہ تائید ایزدی بغیر کسی معاوِنت اوّل تا آخر اپنے معجز رقم قلم سے مکمل فرمائے ہیں۔

اِن شاء اللہ! نیا انگریزی ترجمۂ قرآن *The Manifest Quran* کے عنوان سے عنقریب چھپ کر منظر عام پر آرہا ہے۔ اس کی تقریب رونمائی برطانیہ کی The University of Warwick میں اگست 2023ء کے آخری ہفتے میں منعقد ہونے والے سہ روزہ ’’الہدایہ‘‘ کیمپ میں کی جائے گی۔

The Manifest Quran

On the accomplishment of the English translation of the Holy Quran by the miraculous pen of Shaykh-ul-Islam Dr Muhammad Tahir ul Qadri. May 15, 2023 is a day for gratitude and thanksgiving by the Muslims of the world in general and the young generation living in the West as well as the Tehreek Minhaj-ul-Quran in particular.

On this blessed and blissful Monday before Maghrib prayer, Shaykh-ul-Islam Dr Muhammad Tahir Qadri achieved the unique and auspicious distinction of translating the Holy Quran from Arabic language directly into English language."This is Allah's bounty which He grants whom He like."-

As per historical record, the Quran had been first completely translated into Greek language in the 9th century AD. In the Islamic world, the Quran had been translated by Shaykh Nizam-ud-Din Neshapuri (728 AH) in Persian language. In the sub-continent, the Persian translation of the Holy Quran that won laurels was by Shah Waliullah Mohaddith Dehalvi (1174 AH) titled Fath-ur-Rehman ba-Tarjama-tul-Quran. Later, the Quran was translated into many other languages. But, it is for the first time in the history of translations of the Quran that a translator has achieved the unprecedented milestone of directly translating it from Arabic into two different languages. Earlier, scholars had either translated the Quran into their respective mother or national language or any other language. Later, other people would further translate it into other languages.

It may be mentioned that Shaykh-ul-Islam (may Allah bless him) had accomplished the Urdu translation of the Quran under the title of Irfan-ul-Quran at 3.20am (Tahajjud prayer time) on July 20, 2005 AD. Later, this work was further translated into English and published under the title of The Glorious Quran. It was in fact the English version of Irfan-ul-Quran. It may be noted that translations of the Quran in modern English were missing from the market at that time. However, translations in ancient difficult English were available. Therefore, The Glorious Quran had been received as a distinctive and latest translation of the Holy Quran then. This work had been accomplished 17 years ago. Now it was necessary to provide insight and comprehension of the Holy Quran in contemporary modern English to the young generation that had grown up in the Western world.

In view of this need, Shaykh-ul-Islam (may Allah bless him) has translated the Quran directly from Arabic into modern-day, familiar and easy-to-understand common English. Furthermore, all praise be to Allah, Shaykh-ul-Islam has accomplished both the tasks through his miraculous pen with the blessings of Allah but without the help of any other human.

If God wills, the new English translation of the Quran will soon be published under the title of The Manifest Quran. Its launching ceremony will be held at the three-day Al-Hidaya Camp at the University of Warwick, UK, in the last week of August 2023.

(Chief Editor)

حُسنِ خُلق اور مقامِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجودِ اقدس ہر کمال کا منبع و مصدر اور سرچشمہ ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و روحانی خصوصی خطاب ☆

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین۔۔۔۔ معاون: محمد ظفیر ہاشمی

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم، ۶۸: ۴)

اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متّصف ہیں)۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت نے خاتم النبیین بنایا ہے۔ آپ ﷺ اپنی تخلیق کے اعتبار سے سب سے پہلے اور ظہور و بعثت میں سب سے آخری نبی ہیں۔ اِس کائنات ارض و سماء کی تخلیق کی ابتداء آپ ﷺ کے نور کی تخلیق سے ہوئی اور اللہ رب العزت کی آسمانی ہدایت کے نزول کی انتہاء اور بعثت و رسالت کے نظام کا اختتام آقا علیہ السلام کی نبوت کے ظہور سے ہوا تھا۔

گویا اِس کائنات کو ظہور بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے وجود سے ملا۔۔۔ اِس کائنات کی بقا بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے توسل سے ہے۔۔۔ اِس کائنات میں ہر کمال بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے توسل سے ہے۔۔۔ اللہ کے نظام ربوبیت کے تحت ہر مخلوق کا پرورش پانا حتی کہ ہمیں جو کچھ اس دنیا میں مل رہا ہے، اِس میں بھی وسیلہ حضور ﷺ کا ہے۔ لہذا کلمہ گو کا جینا اس وقت تک حلال نہیں ہے، جب تک وہ تاجدارِ ختم نبوت ﷺ سے وفادار ہو کر زندگی نہ گزارے۔

ساری کائنات کو ہر کمال حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ سے ملا، اِس لیے کائنات کے ہر کمال کا منبع و مصدر اور ہر کمال کا سرچشمہ حضور علیہ السلام کا وجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کو مختلف حسین و جمیل طریقوں سے بیان کیا ہے۔ ان ہی مقامات میں سے ایک مقام قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں بیان ہوا ہے جس میں آقا علیہ السلام کے اخلاق کو بیان کیا گیا ہے۔ آیئے ایک نئے رخ اور زاویہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کے خلقِ عظیم کا مطالعہ کرتے ہیں:

اَخلاق اور خُلق کیا ہے؟

اِنسان سے دو اقسام کی خاصیتوں، صلاحیتوں اور افعال کا صدور ہوتا ہے۔ اِنسان کے اندر کچھ خوبیاں تو ایسی ہوتی ہیں جو اُس کے مزاج کا حصہ ہوتی ہیں، اُنہیں احوالِ طبعیہ کہتے ہیں۔ مثلاً: کبھی اِنسان پر غصے کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، کوئی پریشانی کا لمحہ ہو تو اِنسان کی زندگی میں ہیجان اور اضطراب پیدا ہو جاتا ہے، کبھی انسان اپنی طبیعت میں بزدلی اور مایوسی کا اظہار کرتا ہے، کبھی تھوڑی سی آواز سن کر بھی اچانک گھبرا جاتا ہے، کبھی مسکراتا ہے، کبھی غم زدہ ہو جاتا ہے۔ اِس قسم کے احوال ہماری زندگی میں وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں، اِن احوال کو طبعی احوال کہتے ہیں۔

مذکورہ احوال اَخلاق نہیں ہیں۔ اَخلاق تب بنتا ہے جب اچھے افعال، اعمال، برتاؤ، بھلائی، نیکی، احسان اور خوبصورت طرزِ فکر کو انسان اپنے نفس کے اندر بطورِ صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اگر

☆ (خطاب نمبر: Ec:119)، (مقام: مینار پاکستان، لاہور)، (تاریخ: 30 نومبر 2017ء)

کوشش، محنت اور اپنے اوپر جبر کر کے بندہ اپنے آپ کو نیک کام کرنے کے لیے تیار کرے تو ایسے نیک کاموں کو اخلاق نہیں کہتے۔ خُلق تب بنتا ہے جب اُس بندے کے نفس کے اندر ایسی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ نیکی کے کام آسانی سے کرے اور لوگوں سے بھلائی احسان، سخاوت، خوشگوار تعلق، معافی و در گزر اور عزت دینے کے لیے اپنے نفس میں سہولت پائے۔ اگر نفس کے اندر ایسی خوبی پیدا ہو جائے کہ وہ ان امور کو آسانی سے کرتا چلا جائے اور اُسے کوئی دقت اور اضافی کوشش نہ کرنی پڑے، طبیعت پر بوجھ نہ ہو اور یہ تمام کام روانی، خوشی اور آسانی سے بندے سے سرانجام پانے لگیں، اُس کی طبیعت میں نیکی کی رغبت اور میلان پیدا ہو جائے اور پھر اُس میں مضبوطی، استحکام اور دوام آ جائے کہ وہ چاہ کر بھی اُس کے خلاف نہ جا سکے تو اسے اخلاق کہتے ہیں۔

درحقیقت اخلاق کے خوگر انسان کے اندر ایک داعیہ اور ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کے تحت نیکی، بھلائی، احسان، خوش طبعی، خوش خلقی، اللہ کے دین کی مدد، رشتے داروں، پڑوسیوں، غریبوں، کمزوروں اور انسانیت پر احسان، وغیرہ جیسے کام بغیر کسی اہتمام اور بغیر تکلف کے دائمی کرتا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ سب اُس کی عادت بن جائے اور اُس میں کبھی نہ رکاوٹ آئے تو اسے خُلق یا اَخلاق کہتے ہیں۔ خُلق یا اَخلاق کی صلاحیت بندے میں پیدائشی بھی ہوتی ہے اور بندہ محنت کر کے اسے زندگی میں حاصل بھی کرتا ہے اور پروان چڑھاتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کی خِلقت میں اَخلاقِ حسنہ ودیعت کیا جاتا ہے

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُن کے بعد اولیاء عظام کی طبائع میں اللہ تعالیٰ اچھے اَخلاق کی صلاحیت پیدائشی طور پر ودیعت کر دیتا ہے، اِس لیے اللہ کے نبی سے اعلانِ نبوت سے قبل کے زمانے میں بھی بد اَخلاقی کا کام کبھی صادر نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف آقا علیہ السلام کی بات نہیں بلکہ اللہ رب العزت تمام انبیاء کی خلقت ایسے فرماتا ہے کہ بعثت اور اعلانِ نبوت سے پہلے کی زندگی میں بھی وہ بد خُلقی نہیں کر سکتے۔ جھوٹ نہیں بولتے، بخیل اور کنجوس نہیں ہوتے، کسی پر ظلم و جبر نہیں کرتے، وہ سچے، بھلائی اور احسان کرنے والے ہوتے ہیں، وہ کسی سے نفرت نہیں کرتے، وہ ہر ایک سے محبت کرتے ہیں، سخاوت اور طہارت و پاکیزگی پیدائشی طور پر ان میں موجود ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد نچلے درجے میں پھر یہ خوبیاں اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کے اندر پیدا کر دیتا ہے اور پھر یہ طبقہ ان اوصاف کو اپنی محنت، ریاضت اور عبادت سے develop کرتا رہتا ہے اور کمال تک پہنچا دیتا ہے۔

اِس لحاظ سے اَخلاق حسنہ یا خُلق، پیدائشی بھی ہے اور اکتسابی بھی ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ جبلت میں ہوتا ہے، اکتسابی نہیں ہوتا اور بعض نے کہا اکتسابی ہوتا ہے، جبلت میں نہیں ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ اِس کے دونوں پہلو ہیں۔

اخلاق؛ محنت و ریاضت سے پروان چڑھتے ہیں

اخلاق کا محنت و ریاضت سے پروان چڑھنا اور کمال تک پہنچنے کے حوالے سے ایک حدیثِ مبارک نہایت ہی قابلِ غور ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا علیہ السلام نے ایک صحابی حضرت الاشج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ان فیک خصلتین یحبھما اللہ تعالیٰ الحلم والاناۃ۔

(مسلم، الصحیح، ۱: ۴۸، الرقم: ۱۷)

تمہارے اندر دو خصلتیں اور خوبیاں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ حلم اور صبر ہے۔

یعنی پہلی خوبی نرمی اور ملاطفت ہے جبکہ دوسری خوبی یہ ہے کہ اگر کوئی زیادتی کرے تو اسے توبرداشت کرتا ہے، غصے میں نہیں آتا اور ردِ عمل نہیں دیتا۔

جب حضرت الاشج نے یہ سنا تو انھوں نے آقا علیہ السلام سے پوچھا:

قدیما کان فی أو حدیثا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرمایئے کہ یہ دو خوبیاں میرے اندر پرانی ہیں یا ابھی نئی پیدا ہوئی ہیں؟

آقا علیہ السلام نے فرمایا: بل قدیما: نہیں بلکہ قدیم وقت سے ہیں۔

قلت الحمد اللہ الذی جبلنی علی خصلتین یحبھما اللہ۔

میں نے کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے میرے اندر دو ایسی خوبیاں پیدا کیں جن سے وہ محبت کرتا ہے۔

(کنز العمال، ج: ۱۳، ص: ۱۲۴، الرقم: ۳۶۸۲۴)

یعنی اللہ نے تمہاری خلقت میں اِن خوبیوں کا بیج رکھ دیا تھا اور تم نے محنت کرکے انھیں develop اور مستحکم کر دیا اور بالآخر تمہاری سیرت اور اَخلاق ان خوبیوں کے ساتھ منور ہوگئے۔

صحابی رسول کے سوال اور آپ ﷺ کے جواب سے معلوم ہوا کہ اخلاق جبلی بھی ہوتا ہے اور کئی لوگ زندگی میں محنت اور ریاضت کرکے اسے develop بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بھلائی کے بیج ہر شخص کی طبیعت کی زمین میں بوئے ہوئے ہوتے ہیں، اگر ہم محنت کریں اور انھیں develop کریں تو وہی نمو پاکر پودے اور پھل دار درخت بن جاتے ہیں اور اِنسان کی پوری زندگی اچھے اخلاق کے ساتھ روشن اور مزین ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی ان اخلاق کو سنوارنے میں محنت نہیں کرتا تو اس میں یہ صلاحیت پروان نہیں چڑھتی۔

اسے اس مثال سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر بینائی کمزور ہو جائے تو اُس کے لیے ہم عینک لگا لیتے ہیں، کوئی بیماری آتی ہے تو علاج کرکے شفایابی پا لیتے ہیں، جسم کمزور ہوتا ہے تو مختلف وٹامنز لیتے ہیں، اسی طرح بندے کے نفس میں جو خرابیاں اور کمزوریاں ہوتی ہیں، ان کا بھی علاج ہے۔ اچھی صحبت، اچھا مطالعہ، اچھائی سیکھنے، توجہ و محنت کرنے اور ریاضت و مجاہدہ سے ہم اپنے اندر اچھے اخلاق کو develop کر سکتے ہیں۔

آقا علیہ السلام نے اپنے عمل مبارک سے امت کو یہ تعلیم دی جس کے راوی عبداللہ بن مسعود ہیں کہ آپ ﷺ دعا کرتے تھے:

اللھم کما حسنت خلقی فحسن خلقی۔

(ہندی کنزل العمال، ۳: ۷، الرقم: ۵۱۹۷)

اے اللہ! جس طرح تونے میرے ظاہر کو خوبصورتی دی ہے، اِسی طرح میرے اَخلاق بھی خوبصورت بنا دے۔

آپ ﷺ کے اَخلاق تو پہلے ہی خوبصورت تھے مگر جب اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کرتے ہیں تو اِس کا مطلب ہے کہ ایک طرف آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہارِ بندگی کرتے اور دوسری طرف اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق کے حصول اور کمال پر کمال حاصل کرنے کی درخواست کرتے۔ معلوم ہوا کہ باکمال لوگ وہ ہوتے ہیں جو کمال پاکر اپنا سفر روک نہیں دیتے بلکہ کمال کے بعد بالاتر کمالات کے لیے سفر کرتے چلے جاتے ہیں اور جو آدمی کمال پاکر بے نیاز ہو جائے اور سمجھے کہ میں مکمل و کامل ہو گیا ہوں اور محنت اور توجہ چھوڑ دے، تو اُس کا کمال بھی کم ہوتے ہوتے نقص میں بدل جاتا ہے۔ کمال کو برقرار رکھنے اور اسے مزید بلندیوں سے ہمکنار کرنے کے لیے ریاضت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔

آقا علیہ السلام یہ دعا بھی فرماتے:

اللھم اھدنی لاحسن الاعمال واحسن الاخلاق۔

(سنن النسائی الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۳۱۲، الرقم: ۹۷۰)

کہ باری تعالیٰ مجھے حسنِ اعمال اور حُسنِ اَخلاق کی راہ پر چلا۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اچھے اَخلاق، اچھی طبیعت، اچھی صلاحیت، اچھا مزاج، اچھے طور طریقے موجود ہوں تو بندہ بے نیاز نہ ہو بلکہ اُن کی حفاظت بھی کرے اور اُن کو مزید ترقی دینے کے لیے ریاضت بھی کرے اور ان کی حفاظت بھی کرے۔ اگر توجہ ہٹ گئی اور غفلت آگئی تو پہلا کمال بھی جاتا رہے گا۔

اخلاق اور اعتدال کا تعلق

اخلاق کی تعریف کو مزید واضح انداز میں جاننا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ نفس کے اندر اچھائی اور بھلائی آسانی اور سہولت کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھنے کے امور کی صلاحیت کو اَخلاق کہتے ہیں۔ اس اچھائی اور بھلائی کا اعتدال پر ہونا بھی لازم ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ:

السمت الحسن والتؤدۃ والاقتصاد جزء من اربعۃ وعشرین جزء من النبوۃ۔ (ترمذی، السنن، ۴: ۳۶۶، الرقم: ۲۰۱۰)

حسنِ اخلاق اور طبیعت کا اعتدال، نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔

یعنی بندے کی طبیعت میں افراط اور تفریط نہ ہو، بلکہ اعتدال ہو اور بندہ متوازن و معتدل ہو۔ معلوم ہوا حُسنِ اَخلاق انبیاء علیہم السلام کے فضائل و خصائل میں سے ہے اور جس خوش نصیب کو حُسنِ اَخلاق کی خوبیاں نصیب ہوگئیں، وہ سمجھے کہ اُس نے براہِ راست

نبوت کا فیض پایا ہے۔ اگر یہ اعمال اعتدال پر نہ رہیں تو اچھائی، اچھائی نہیں رہتی۔ مثلاً: قوتِ عقل میں اعتدال ہو تو اُس کو ذہانت اور فطانت کہتے ہیں۔ ذہین اور فطین وہ شخص ہو گا جس کی ذہانت میں اعتدال ہو اور اگر اُس ذہانت میں افراط آجائے تو وہ مکاری اور عیاری میں بدل جاتی ہے اور بندہ عیار اور مکار بن جاتا ہے۔ اگر ذہانت میں تفریط آجائے تو کمی آنے سے بندے میں حماقت اور بے وقوفی آجاتی ہے۔ یعنی ذہانت میں زیادتی ہوئی تو بندہ عیار ہو گیا، اگر کمی ہوئی تو بندہ بیوقوف ہو گیا اور عقل کی صلاحیت اعتدال پر رہی تو ذہین و فطین ہوا۔

اِسی طرح اگر غصہ نہ آئے تو بندہ دشمن سے لڑ ہی نہیں سکتا اور نہ اپنا دفاع کر سکتا ہے۔ اگر غصہ اعتدال میں ہو تو وہ بہادری اور شجاعت کہلاتا ہے، اگر اُس میں زیادتی ہو جائے تو وہ بندے کو ظلم اور جبر کی طرف لے جاتا ہے اگر اُس میں کمی ہو جائے تو یہ بندے کو بزدل بنا دیتا ہے۔ چنانچہ اعتدال میں حُسن ہے جبکہ زیادتی اور کمی دونوں خراب چیزیں ہیں۔

اِسی طرح خرچ کرنا اگر اعتدال کے ساتھ ہو تو اُسے سخاوت کہتے ہیں اور اگر خرچ کرنا اعتدال سے بڑھ جائے تو یہ فضول خرچی، اسراف اور تبذیر ہے۔ اس کے برعکس تفریط ہو جائے تو بندہ میں بخیلی اور کنجوسی آجاتی ہے۔ پس اسراف میں خیر ہے اور نہ کنجوسی میں خیر ہے۔ سخاوت تب بنتی ہے کہ خرچ کرنے کا عمل اور جذبہ اعتدال کے ساتھ رہے۔

ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ انسانی جسم میں اونچا قد اچھا لگتا ہے مگر کسی کا قد بے حساب اونچا ہو جائے تو اچھا نہیں لگتا، قد بہت چھوٹا ہو جائے تو وہ بھی اچھا نہیں لگتا۔ جسم کی طاقت کے اندر بھی اعتدال ہو تو بندہ حسین لگتا ہے، آنکھ، ناک، چہرہ، پیٹ الغرض جس عضو کو دیکھیں، اُس میں اعتدال ہے اور ایک کا دوسرے کے ساتھ ایک ربط ہے۔ یہ توازن اور اعتدال ہر جگہ ہو تو اُس کو حسین کہتے ہیں۔ انسانی اعضاء میں توازن اور اعتدال سے انسان حسین بن جاتا ہے۔ الغرض خوبیاں اگر درمیان کی حد پر قائم ہوں تو اُن کو حُسنِ اَخلاق کہتے ہیں اور اگر وہ حد سے اِدھر اُدھر ہو جائیں تو وہ حُسنِ اَخلاق نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کے مصداق آپ ﷺ کی جملہ خوبیاں، اچھائیاں اور اَخلاق سب کمال پر ہیں مگر سارے کمالات کی انتہاء میں اعتدال بھی ہے۔ یعنی ایک خوبی دوسری خوبی کو نظر انداز نہیں ہونے دیتی۔ ساری خوبیاں بدرجہ اتم، بدرجہ کمال ہیں اور کمال کا کمال یہ ہے کہ ہر شے غایتِ اعتدال پر ہے۔

اخلاقِ مصطفی ﷺ ناقابلِ شمار ہیں

ایک صحابی نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کے اَخلاق کیسے تھے؟ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن۔ ”آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔“

(احمد بن حنبل، المسند، ٦: ٢١٦، الرقم: ٢٥٨٥٥)

یعنی سارا قرآن حضور کے اَخلاق کا بیان ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس جواب کے ذریعے سوال کرنے والے کی غلطی کی بھی نشاندہی کی اور اس کی اصلاح کی۔ وہ سوال یہ سمجھ کر کر رہا تھا کہ شاید آپ ﷺ کے اَخلاق گنے چنے اور محدود تھے، تو وہ گن کر بتا دیں گی کہ حضور ﷺ کے اَخلاق یہ یہ تھے۔

یاد رکھیں! محدود چیز ہو تو گن کر بتایا جاسکتا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی کسی شخص سے پوچھے کہ اس کے پاس کتنے پیسے ہیں تو اگر تو وہ قابلِ شمار ہوئے تو وہ کوئی نہ کوئی عدد بتادے گا لیکن اگر وہ اَن گنت ہوں تو وہ کہے گا کہ میرے پاس گنتی ہی نہیں، میں کیا بتاؤں کہ کتنے ہیں؟

چنانچہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے اَخلاق کے بارے پوچھا گیا تو سوال کرنے والے کا خیال تھا کہ گنے چنے کچھ اَخلاق ہوں گے، جیسے سچائی، جرأت، بہادری، بھلائی، سخاوت، نرم طبیعت، وغیرہ وغیرہ۔ آپؓ نے اس طرح کے کسی وصفِ مصطفی ﷺ کو بیان نہ کیا بلکہ جواب دیا کہ تم نے آقا ﷺ کے اَخلاق اور صفات کو محدود سمجھا ہے۔ سارا قرآن، اُس

کی ہر ہر آیت اور ہر ہر لفظ، حضور نبی اکرم ﷺ کے اَخلاق کا بیان ہے۔ گویا وہ بتانا یہ چاہتی تھیں کہ حضور ﷺ کے اَخلاق شمار سے باہر ہیں۔ جیسے قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اُس کے معانی و معارف کی کوئی حد نہیں، اِسی طرح حضور ﷺ کے اَخلاق کی کوئی ح د نہیں۔ چودہ سو سال گزر گئے، ہر آنے والا عالم اور عارف جب قرآن مجید کی آیت کو پڑھتا ہے تو نیا معنی بیان کرتا ہے۔ قیامت تک لاکھوں، کروڑوں لوگ ہر روز قرآن مجید کی اُسی آیت کو پڑھتے رہیں گے اور ہر ہر آیت سے نئے سے نئے معانی منکشف ہوتے چلے جائیں گئے۔ قرآن مجید کے معانی ختم نہیں ہوئے، پس ام المومنین rض کا فرمانا یہ تھا کہ جس طرح اللہ کے کلام کے معانی کی حد نہیں ہے، اِس طرح مصطفی ﷺ کے اَخلاق کی حد نہیں ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ نے عوارف المعارف (ص:۴۰۰) میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ سوال کے جواب میں ام المومنینؓ یہ جواب دینا چاہتی تھیں کہ حضور ﷺ کے اَخلاق اللہ کے اَخلاق تھے مگر بارگاہِ صمدیت کے ادب میں یہ لفظ نہیں بول سکیں کہ وہ اللہ کے اَخلاق سے متخلق تھے، لہذا اللہ کا نام لینے کے بجائے انھوں نے اللہ کے کلام کا نام لے دیا۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام اللہ کی صفات میں سے صفت ہے۔ پس انھوں نے اللہ کے کلام کا نام لے کر ادبِ الوہیت بھی رکھا اور عظمتِ نبوت بھی بیان کر دی کہ سارا قرآن مجید حضور ﷺ کا اَخلاق تھا۔ یعنی اگر مصطفی ﷺ کے اَخلاق کو جاننا چاہتے ہو تو قرآن مجید کو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کے اَخلاق اور صفات کا بیان قرآن مجید میں ہے، اُن صفات کا ایک رخ شانِ الوہیت کی طرف تھا اور ایک رخ شان عبدیت اور مصطفی ﷺ کے اَخلاق کی طرف تھا۔

پس اگر تم پڑھنا چاہو تو قرآن مجید ایک کتاب کی شکل میں ہے اور اگر آنکھوں سے دیکھنا چاہو تو حضور سراپا قرآن تھے۔

اَخلاقِ حسنہ رسمی عبادات کا نام نہیں

اَخلاق حسنہ کی مثال اس طرح ہے جیسے زمین میں آسمان آجائے۔ اِس لیے کہ اِنسان کا اپنا نفس زمین کی مانند ہے اور اخلاقِ حسنہ اصل میں اللہ تعالیٰ کے صفات ہیں۔ جب بندے کے نفس میں ملکوتی صفات سما جائیں یا بشری پیکر میں مالا اعلیٰ کی کائنات سما جائے تو یہ ایسے ہے جیسے زمین میں آسمان سما جائے۔ اگر یہ کیفیت ہو تو یہ اَخلاقِ حسنہ ہے۔ صرف نماز پڑھنا اور تسبیح کرنا عبادات نہیں بلکہ اِنسان کی زندگی، اس کی سیرت، مزاج اور اَخلاق ملکوتی صفات سے معمور ہو جائیں، یعنی بندہ فرشتہ تو نہ ہو مگر ایسا ہو کہ فرشتے اُس پر رشک کریں۔ اس کا وجود اس صورت میں ملکوتی بن جاتا ہے کہ جسم تو بشر ہی کا ہوتا ہے مگر اُس کے من کے اندر ملکوتی صفات اور انوار و تجلیات سما جانے کے سبب وہ بندہ رزائل سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس سے بخل نکل جاتا ہے اور وہ سراپا سخاوت بن جاتا ہے۔۔۔ وہ جھوٹ سے نکل جاتا ہے اور سراپا سچ ہو جاتا ہے۔ پھر اُس بندے کے اَخلاق بدل جاتے ہیں اور وہ نیک کام کے لیے تکلیف، مشقت، محنت اور کوشش نہیں کرتا بلکہ نیکی بغیر ارادے کے اُس سے خود بہ خود صادر ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ چاہے بھی تو کسی سے زیادتی نہیں کر سکتا، اس لیے کہ بداَخلاقی اور بُرائی اُس سے صادر ہی نہیں ہو سکتی۔

فرشتے اگر برائی نہیں کرتے اور ظلم نہیں کرتے تو اس میں اُن کا کمال نہیں ہے۔ اِس لیے کہ اُن کے اندر برائی کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور وہ معصوم ہیں۔ انسان میں اچھائی اور برائی دونوں صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں۔ اب جب انسان بُرائی نہ کرے اور اچھائی کرے تو اس صورت میں ملائکہ بھی اس پر رشک کرتے ہیں۔

قرآن حضور ﷺ کا اَخلاق: قرآن مجید کی آیات سے استنباط

قرآن مجید کی آیات تین طرح کی ہیں:

۱۔ کچھ آیات محکمات ہیں، ان آیاتِ محکمات کی ہر ایک کو سمجھ آتی ہیں، ان کے معانی سادہ اور عام فہم ہیں۔

۲۔ کچھ آیات متشابہات ہیں جو ہر کسی کو سمجھ نہیں آتیں۔ اُن کا علم اللہ کو ہے یا ان اہل اللہ کو ہے جنہیں اللہ معرفت عطا کرتا ہے۔

۳۔ آیاتِ قرآنی کی تیسری قسم وہ ہے جن کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں: الم، کھیعص وغیرہ۔ یہ حروفِ مقطعات قرآن مجید

کی چودہ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ یہ بھی متشابہات میں سے ایک قسم ہیں۔ اِن کی خوبی یہ ہے کہ اِن کو اہل اللہ بھی نہیں جانتے، انھیں صرف اللہ جانتا ہے یا رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں۔

آقا علیہ السلام کے اَخلاق، صفات اور کمالات کو پورے قرآن مجید سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کے کچھ اَخلاق اور کچھ کمالات ایسے ہیں جنہیں ہر کوئی سمجھ سکتا ہے، وہ علماء بھی جانتے ہیں، فقہاء بھی جانتے ہیں اور واعظ لوگ بھی جانتے ہیں۔ مصطفی ﷺ کے یہ اَخلاق اور صفات آیاتِ محکمات کی مانند ہیں جو ہر کسی کی سمجھ میں آ گئے۔

آقا علیہ السلام کے کچھ اَخلاق اور صفات ایسی ہیں جن کا صرف عرفاء کو پتہ چلا۔ اُن کو ابو بکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اور دیگر عرفاء کی آنکھ نے اپنے اپنے انداز اور مختلف رنگ میں دیکھا۔ گویا کچھ اَخلاق آیاتِ متشابہات کی طرح تھے کہ جو صرف خاص لوگوں کو معلوم ہوئے۔ اب جنھیں ان کا علم نہیں تو وہ انکار کرتے ہیں، اس لیے کہ اُنہیں ان کی سمجھ نہیں۔

اسی طرح آقا علیہ السلام کے اَخلاق اور کمالات کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو حروفِ مقطعات کی طرح ہے جنہیں صرف اللہ اور حضور ﷺ ہی جانتے ہیں، مخلوق میں سے کوئی جانتا ہی نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جملہ تو ایک بولا مگر اُس کے اندر معانی کے سمندر بہا دیئے۔ حضور کا اَخلاق قرآن ہے۔ گویا حضور کے اَخلاق آیاتِ محکمات کی مانند بھی ہیں، آیاتِ متشابہات کی مانند بھی ہیں اور حروفِ مقطعات کی مانند بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ گزر گیا ہے مگر حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کی حقیقت کو انسان نہیں جان سکا۔ انسان اُتنا جانتا ہے جتنا علم اُس تک پہنچا۔ آقا علیہ السلام کے اَخلاق اور کمالات کا احاطہ اور ادراک کوئی نہیں کر سکا۔

اَخلاق بہتر کیسے ہوتے ہیں؟

اَخلاق کیسے بہتر ہوتے ہیں؟ اس کے لیے یہ امر ذہن میں رہے کہ اس کے لیے ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سلسلے میں سب سے کارگر نسخہ نیک صحبت ہے کہ اچھوں کی سنگت میں اَخلاق اچھے ہوتے چلے جائیں گے اور بُرے لوگوں کی صحبت اور سنگت میں اَخلاق بُرے ہوتے چلے جائیں گے۔ جیسی صحبت ہوگی، ویسا رنگ چڑھے گا اور اُسی طرح کے اَخلاق بنیں گے۔ گویا اخلاق؛ صحبت، سنگت اور رفاقت سے تبدیل ہوتا ہے۔ کنجوسوں کے ساتھ بیٹھیں گے تو کنجوس ہو جائیں گے۔۔۔ سخیوں کے ساتھ بیٹھے گے تو طبیعت میں سخاوت آتی جائے گی۔۔۔ عبادت گزاروں کے ساتھ بیٹھیں گے تو عبادت کا شوق پیدا ہوتا چلا جائے گا۔۔۔ غافلوں کے پاس بیٹھیں گے تو طبیعت سے دین نکلتا چلا جائے گا۔۔۔ چوروں، اُچکوں اور کرپٹ لوگوں کے ساتھ بیٹھیں گے تو بندے میں کرپشن داخل ہوتی چلی جائے گی۔۔۔ الغرض جیسی صحبت اور سنگت ہوگی، اخلاق پر ویسا ہی رنگ چڑھ جائے گا۔ لہذا صحبت اچھی اختیار کریں۔ بُری صحبت سے عبادتیں اور ریاضتیں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے دوست و رفیق کے انتخاب کے معاملہ میں احتیاط اور غور و فکر کا حکم دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

المرء علی دین خلیله فلینظر أحدکم من یخالط۔

(احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۰۳، الرقم: ۸۰۱۵)

یعنی ہر شخص اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، ہر شخص اپنے دوست کی روش پر ہوتا ہے، جیسا اُس کا دوست ہو، اُسی طرح کی روش اور اُسی طرح کا طرزِ زندگی اُس بندے میں آ جاتا ہے۔ اگر کسی کا تعین کرنا چاہیں کہ یہ بندہ کیسا ہے تو اُس کی سنگت، دوستی اور صحبت کو دیکھا کریں کہ اس کی سنگت اور دوستی کیسی ہے۔۔۔؟ کن کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے۔۔۔؟ اس سے اُس بندے کے کردار کی رنگت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ یورپی دنیا میں جب کسی کو سیکیورٹی یا پولیس سروس وغیرہ میں لینا ہو تو وہ صرف اُس بندے کا ہی نہیں بلکہ اس کے والدین اور اُس کے دوستوں کا بھی انٹرویو کرتے ہیں کہ ان کا کردار کیسا ہے؟ اُس سے انھیں اس متعلقہ بندے کے کردار و سیرت کے بارے میں پتہ چل جاتا ہے۔ اِس لیے قرآن مجید نے کہا:

وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (التوبۃ، ۹: ۱۱۹)

''اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو۔''

آقا علیہ السلام نے فرمایا: اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔ (مسلم، الصحیح، باب: فضل مجالس الذکر، ۴: ۲۰۶۹، الرقم: ۲۶۸۹)

اللہ کا ذکر کرنے والے ایسے اچھے لوگ ہیں کہ جو اُن کی صحبت اور سنگت میں بیٹھ جائے، وہ بھی محروم نہیں رہتا بلکہ کچھ نہ کچھ رنگ ان ذاکرین کا اُس پر بھی چڑھ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ صحبت سے اَخلاق اور سیرت بدلتی ہے اور جن کی سنگت اختیار کرتے ہیں، ان کا رنگ انسان کی شخصیت پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبار ائمہ بھی اولیاء و صلحاء کی سنگت اور صحبت کو اختیار فرماتے۔

امام اعظم ابو حنیفہؓ علم اور فقہ کے بہت بڑے امام تھے مگر اپنے وقت کے مجذوب بہلول دانا کی صحبت میں جا کر بیٹھتے تھے کیوں کہ مجذوب اللہ کی سنگت میں بیٹھنے والا ہوتا ہے۔۔۔ امام مالکؒ خود فقہ کے امام تھے مگر حضرت محمد بن المنکدر کی سنگت میں بیٹھتے تھے۔۔۔ امام شافعیؒ اپنے وقت کے امام تھے مگر حضرت معروف کرخیؒ اور حضرت ابو حمزہ بغدادیؒ کی سنگت اور صحبت میں بیٹھتے تھے۔۔۔ امام احمد بن حنبلؒ علم کے امام تھے مگر حضرت بشر الحافیؒ اور ابو حمزہ بغدادیؒ کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔

سوچنے کی بات ہے کہ یہ لوگ خود فقہ، قرآن اور حدیث و سنت کے علم کے اِتنے بڑے امام تھے کہ ساری دنیا اِن کی طرف رجوع کرتی تھی اور یہ اُن اولیاء اور صوفیاء اور اللہ والوں کی صحبت اور سنگت میں بیٹھتے جو ظاہری علم میں اِن کے برابر نہیں تھے۔ یاد رکھیں کہ یہ ائمہ اُن کی صحبت اس لیے اختیار کرتے کیونکہ اُن کی صحبت سے اِن کے اَخلاق بدلتے تھے، اِن کے احوالِ باطنی بدلتے تھے اور انھیں اللہ کی قربت نصیب ہوتی تھی۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ بندہ جس کی صحبت میں ہوگا، اُسی کا رنگ اس پر چڑھے گا۔ چنانچہ اوائل اسلام میں جو لوگ مولیٰ علی المرتضیٰؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ، امام علی زین العابدینؓ، امام محمد الباقرؓ، امام جعفر الصادقؓ، حسن البصریؒ، بایزید بسطامیؒ، ذوالنون مصریؒ، معروف کرخیؒ، سری سقطی رحمھم اللہ اور ان جیسے دیگر اولیاء کی صحبت میں بیٹھتے تو ان اولیاء کی صحبت اور مجلس ان حاضری دینے والوں کے اَخلاق، باطن اور احوال کو بدل کر رکھ دیتی۔ اِس لیے وقت کے بڑے بڑے عالم اور امام، اولیاء کی صحبت میں بیٹھتے تھے تاکہ اُن کا رنگ بھی ان کی شخصیت پر چڑھے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ رنگ محض کتابوں، مدرسوں، عقل اور فہم سے نہیں چڑھتا بلکہ رنگ صحبت سے چڑھتا ہے۔

حضور علیہ السلام اللہ کی صحبت اور سنگت میں تھے

جو جس کی صحبت اور سنگت میں زیادہ رہے، اُس کا رنگ اس پر چڑھتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ ساری عمر اللہ تعالیٰ کی صحبت اور سنگت میں رہے، اندازہ لگائیں کہ ان پر اللہ کا کتنا رنگ چڑھا ہوگا۔ آقا علیہ السلام نے چونکہ تمام وقت اللہ کی صحبت اور سنگت میں گزارا ہے، اس لیے ہر وقت آقا علیہ السلام پر اللہ کے اخلاق و صفات کا رنگ چڑھتا رہا، اور یہ رنگ چڑھتے چڑھتے وہ مقام آگیا کہ سارے اخلاقِ الٰہیہ حضور علیہ السلام کی ذات میں آگئے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا ارحم الراحمین خلقت بضعة عشر وثلاث مائة خلق من جاء بخلق منها مع شهادة ان لا اله الا الله دخل الجنة۔

(طبرانی، المعجم الاوسط، ۲: ۲۰، الرقم: ۱۰۹۳)

''میں رحم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔ میں نے تین سو دس (310) اخلاق پیدا کیے جو اِن اخلاق میں سے ایمان اور توحید کے ساتھ ایک خُلق بھی اپنی زندگی میں داخل کرلے، وہ جنت میں جائے گا۔''

اللہ کے سارے کے سارے 310 اَخلاق سوائے حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی نبی اور رسول میں جمع نہیں ہوئے۔ جس طرح اللہ کی لاتعداد صفات ہیں اور ان ہی صفات کی مناسبت سے اس کے اسماء ہیں مگر معروف صرف 99 اسماء ہیں، اِسی طرح اللہ کے اَخلاق بھی لاتعداد ہیں مگر بیان کرنے میں تین سو ساٹھ اَخلاق بیان کیے جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ بظاہر آقا علیہ السلام کا پیکر بھی بشری تھا، بشری اوصاف کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اَخلاق، خُلقِ عظیم اور اَخلاقِ الٰہیہ کیسے بن گیا۔۔۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ پیکر بشری کی صفات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت کے اندر موجود تھیں مگر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اُتاریں تو ہر آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت اُتاری، جوں جوں اللہ کی صفات اُترتی چلی گئیں، توں توں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بشری اَخلاق ایک ایک کرکے اُترتے گئے۔ صفاتِ الٰہیہ اور اَخلاقِ الٰہیہ کی جو جو صفت نازل ہوتی گئی، اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک بشری خُلق کو الگ کردیا۔ جب سارا قرآن مکمل ہوا تو ذاتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بشری اَخلاق کا کچھ بھی نہ بچا تھا۔ اب جسم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا مگر اَخلاق خدا کا تھا۔ اَخلاقِ الٰہیہ کے سارے رنگ نہ صرف آپ کی ذاتِ مبارکہ پر چڑھ گئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بشری خُلق اور طبیعت کے تمام خصائص اور مزاج بھی بدل گئے تھے۔

حضور علیہ السلام سے بشری صفات کے ظہور کی حقیقت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب کبھی بشری صفات کا ظہور ہوتا تھا تو اس کی حکمت امت کو تلقین کرنا اور اس امر کو امت کے لیے سنت بنانے کے لیے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھاتے تھے مگر آپ کا جسم کھانے کا محتاج نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کو سنت بنانے کے لیے کھاتے تھے۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کی مگر آپ کو شادی کی محتاجی نہ تھی بلکہ اسے سنت بنانے کے لیے ایسا کیا۔۔۔ علالت و بیماری ہوتی مگر جسم اس کا محتاج نہ تھا، یہ سارے عوارضِ بشریہ اس لیے ہوتے تاکہ امت اپنی زندگیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مطابق ڈھال سکے۔۔۔ اگر ان ساری چیزوں کا ظہور نہ ہوتا تو اِنسانوں کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ساتھ ربط نہ رہتا اور آقا علیہ السلام کی زندگی سے اَخذ کرنے اور سبق لینے کا امکان نہ رہتا۔

ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی اور چار رکعتیں پڑھانے کے بجائے دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں بات کرنے لگے: قُصِرَتِ الصَّلَاۃ۔

شاید نماز چھوٹی کر دی گئی ہے؟

(بخاری، الصحیح، ۵:۲۲۴۹، الرقم:۵۷۰۴)

مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ آقا علیہ السلام سے پوچھتا کہ نماز پوری نہیں پڑھائی۔ ادب کے ساتھ سب خاموش تھے۔ ایک صحابی جن کو ذوالیدین کہتے تھے، وہ دیہات کے رہنے والے تھے، لہذا اپنی سادہ لوحی کے سبب انھوں نے سوال کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کی اور آگے بڑھے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

أَنَسِيتَ أَمْ قَصُرَتِ؟

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ بھول گے ہیں یا نماز آدھی کردی گئی ہے؟

آقا علیہ السلام نے صحابہ سے پوچھا:

أَكَمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ؟ فَقَالُوا نَعَم۔

کیا اِسی طرح ہوا ہے جیسے ذوالیدین کہہ رہا ہے؟

صحابہ نے اثبات میں جواب دیا۔

پھر آقا علیہ السلام نے فرمایا: لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ۔

نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز چھوٹی کی گئی ہے۔

آقا علیہ السلام نے پھر دو رکعتیں بقایا پڑھائیں اور سجدہ سہو کیا۔

(بخاری، الصحیح، باب: من یکبر فی سجدۃ السہو، ۱: ۱۸۲، الرقم: ۴۶۸)

غور طلب بات یہ ہے کہ دو رکعتیں بھی پڑھائیں، سجدہ سہو بھی کیا مگر یہ بھی فرمایا کہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز چھوٹی ہوئی ہے۔

اِس کی وضاحت امام مالکؒ نے موطا میں ایک اور حدیث کے ذریعے دی ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

انی لأنسی أو أنسی لأسن۔ (موطا مالک، ۱: ۱۰۰، الرقم: ۲۲۵)

جب دیکھتے ہو کہ میں بھولا ہوں تو یاد رکھو کہ میں بھلایا گیا ہوں اور میں بھلایا اِس لیے جاتا ہوں تاکہ میرا ہر فعل تمہارے لیے سنت بن جائے۔

یعنی اگر میں اس طرح نہ کروں گا تو کل جب تم نماز میں بھولو گے تو کیا کرو گے؟ میں تمھیں اس امر پر تعلیم دینے کے لیے کہ اگر نماز میں بھول جاؤ تو کیا کرنا ہے؟ بھول کر سجدہ سہو کر کے دکھا رہا ہوں کہ اگر کوئی میرا اُمتی بھول جائے تو ایسے کرنا ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ اگر بھول بھی ہوتی ہے تو یہ سنت بنانے کے لیے ہوتی ہے۔ اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اگر بشری صفت کا ظہور ہوتا تھا تو

اُمت کے لیے ہوتا تھا، آقا علیہ السلام اُس کے محتاج نہ تھے اور یہ آقا علیہ السلام کی کمزوری نہ تھی۔

حاصلِ کلام

آقا علیہ السلام کی سیرت اور اَخلاق سے ساری بشری کمزوریاں نکال دی گئیں تھیں اور اُن پر اللہ کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ اِس لیے اللہ رب العزت نے آقا علیہ السلام کو سرتاپا انسانیت اور ساری کائنات کے لیے رحمت بنادیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا تفریق مذہب و رنگ و نسل ہر ایک کا بھلا چاہنے والے تھے۔

مکی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم و ستم کے کون کون سے پہاڑ نہیں ڈھائے گئے، طائف واحد میں پیش آنے والے واقعات سے کون آگاہ نہیں کہ جسمِ اقدس لہولہان ہو جاتا ہے، مگر ان کفار و مشرکین کے لیے زبان اقدس پر پھر بھی ہدایت طلبی کی دعا ہے۔ مکہ کے مشرکین و کفار نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تلواروں سے محاصرہ کیا تھا، آپ کو شہید کرنا چاہتے تھے، آپ کی دعوت کو رد کر دیا تھا، صحابہ کو قتل کرتے تھے، اذیت دیتے تھے، ہجرت پر مجبور کر دیا اور پھر اس پر بس نہیں کی بلکہ ہر سال مدینہ پر حملہ کرتے، غزوات و سرایا کی ایک تفصیل ہے۔ الغرض آپ کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا اور ہر وقت آپ کو پریشان رکھا مگر اس کے باوجود آقا علیہ السلام کے حلم، بردباری، عفو و درگزر اور اَخلاق میں رحمت کمال پر نظر آتی ہے اور ایسا ہونا عام بشری خصائص میں ممکن ہی نہیں ہے۔

طائف کے میدان میں جب آپ کو لہولہان کر دیا جاتا ہے تو اس وقت بھی آپ اہلِ طائف کے لیے بددعا نہیں فرماتے بلکہ ان کے لیے ہدایت کی دعا فرماتے ہیں اور ان کی آئندہ نسلوں میں ایمان و اسلام قبول کرنے کی امید پر اُن کی بربادی کے لیے دعا نہیں فرماتے۔۔۔ اسی طرح اُحد کے میدان کو دیکھیں، جب آقا علیہ السلام پر پتھر لگے، تلواریں لگیں، آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا۔ دندان مبارک شہید ہوگئے، آپ گر گئے، لوگوں نے سمجھا کہ شہید ہوگئے، میدانِ احد میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت دیکھ کر صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اِنہیں بددعا دیں۔ صحابہ کا ایمان تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا سے سارے کفار ختم ہو جائیں گے۔ آقا علیہ السلام نے ہاتھ اُٹھائے لیکن فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي وفی روایۃ اهد قومی فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔

اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ میری قوم کو ہدایت دے، بے شک انھیں سمجھ نہیں ہے۔ (بخاری، الصحیح، ۳: ۱۲۸۲، الرقم: ۳۲۹۰)، (المقدسی، الاحادیث المختارۃ، ۱۰: ۱۴)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور اخلاقِ کریمانہ کی ایک جھلک فتح مکہ کے موقع پر بھی نظر آتی ہے کہ جب فتح مکہ کے لیے آقا علیہ السلام دس ہزار افراد پر مشتمل فوج لے کر داخل ہوئے تو کفار کے سر جھک گئے۔ ہر شخص سمجھ رہا تھا اب ہمارے سر کٹ جائیں گے، ہم آج تک جو کرتے رہے، آج ہمارے 21 سال کے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ فِيكُمْ؟

(عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۱۸، الرقم: ۴۰۳۸)

اے قریشیو! بتاؤ تم کیا سوچ رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟

قَالُوا: خَيْرًا أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ۔

ہم توقع کر رہے ہیں کہ ہمارے ساتھ بھلائی کریں گے، اچھے ہیں اچھوں کی اولاد ہیں، اور آپ کریم بھائی ہیں۔

اِس پر آقا علیہ السلام نے فرمایا:

اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ تم سب کو آزاد کیا جاتا ہے۔

اِتنا وسیع ظرف یقیناً بشری اور اِنسانی ظرف نہیں ہے بلکہ یہ اُلوہی ظرف ہے۔ جس طرح کئی لوگ خدا کے وجود کو مانتے بھی نہیں مگر اللہ اُن کو بھی رزق دیتا ہے۔ کفار و مشرکین شرک کرتے ہیں بتوں کو پوجتے ہیں، اللہ کو گالی دیتے ہیں پھر بھی اللہ ان کو رزق دیتا ہے۔۔۔ وہ بیمار ہوں تو ان کو شفا دیتا ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جملہ صفات پر چونکہ الوہی رنگ چڑھ گیا تھا، لہذا یہ کرم اور عفو و درگزر کی یہ صفت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔

❀❀❀❀❀

آپ کے فقہی مسائل

مسائلِ حج اور قربانی

حج کا انعام جنت جبکہ قربانی گناہوں سے پاک کر دیتی ہے

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیر نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: حج کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں آگاہ فرمائیں؟

حج اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ یہ ہر اس شخص پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے جو صاحب استطاعت ہو۔ حج، اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک ایسا رکن ہے جو اجتماعیت اور اتحاد و یگانگت کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ (آل عمران: ۹۷)

"اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو"۔

حج کرنے والے کے لئے جنت ہے۔ حجاج کرام خدا کے مہمان ہوتے ہیں اور ان کی دعا قبولیت سے سرفراز ہوتی ہے۔ یہ نفوس ہر قسم کی برائی کا خاتمہ کرنے کا عہد کرتے ہوئے نیکیوں کے حصول کی جانب ایک نئے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص زندگی میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرے تو وہ رب کائنات کی رحمتوں سے نہ صرف محروم ہو جاتا ہے بلکہ ہدایت کے راستے بھی اس کے لئے مسدود ہو جاتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں حج کی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ.

"ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کا درمیانی عرصہ گناہوں کا کفارہ ہے، اور حج مبرور (مقبول) کا بدلہ جنت ہی ہے۔"

(البخاری فی الصحیح، ابواب العمرۃ، ۲/ ۶۲۹، رقم: ۱۶۸۳)

۲۔ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ کرم سے نکال دیتا ہے۔ حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ، فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔

"جس شخص کو فریضۂ حج کی ادائیگی میں کوئی ظاہری ضرورت یا کوئی ظالم بادشاہ یا روکنے والی بیماری (یعنی سخت مرض) نہ روکے اور وہ پھر (بھی) حج نہ کرے اور (فریضہ حج کی ادائیگی کے بغیر ہی) مر جائے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر (اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی فکر نہیں ہے)۔"

(الترمذی فی السنن، باب ماجاء فی التغلیظ فی ترک الحج، ۳/ ۱۷۶، رقم: ۸۱۲)

۳۔ اس عظیم سعادت کو حاصل کرنے والے کو بخشش کی نوید سناتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ۔ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ، وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔

"حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، وہ اس سے دعا کریں تو ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر اس سے بخشش طلب کریں تو انہیں بخش دیتا ہے۔ (ایک روایت میں) جہاد کرنے والا، حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا (کے الفاظ بھی ہیں)۔"

(ابن ماجہ فی السنن، باب فضل دعاء الحج، ۲/ ۹، رقم: ۲۸۹۲)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حجاج کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَخَلَ الْبَيْتَ دَخَلَ فِي حَسَنَةٍ وَخَرَجَ مِنْ سَيِّئَةٍ مَغْفُوْرًا لَهُ.

”جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو گیا وہ نیکی میں داخل ہو گیا اور برائی سے خارج ہو کر مغفرت پا گیا۔“

(ابن خزیمہ فی الصحیح، ۴/۳۳۲، رقم: ۳۰۱۳)

سوال: کیا عازمینِ حج حرم کے علاوہ اپنے وطن میں بھی قربانی کریں گے؟

جواب: حج کی تین اقسام ہیں:

۱۔ حجِ قِران ۲۔ حجِ تمتُّع ۳۔ حجِ اِفراد

حجِ قِران:

حجِ قران اس طریقۂ حج کو کہتے ہیں جس میں احرام باندھتے ہوئے حج اور عمرہ دونوں کی نیت کر لی جائے کہ حج اور عمرہ ایک ہی احرام میں ادا کیے جائیں گے۔ عازمِ حج مکہ پہنچ کر پہلے عمرہ کرتا ہے پھر اسی احرام میں اسے حج ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس دوران احرام میلا یا ناپاک ہونے کی صورت میں تبدیل تو ہو سکتا ہے مگر اس کی جملہ پابندیاں برقرار رہیں گی۔ حج اور عمرہ جمع کر کے ایک ہی احرام میں ادا کرنے کے سبب اسے حجِ قران کہتے ہیں اور اس کی ادائیگی کرنے والا حاجی قارن کہلاتا ہے۔

حجِ تمتع:

وہ طریقۂ حج جس میں حج اور عمرہ الگ الگ ادا کیا جاتا ہے اور اس صورت میں عمرہ ادا کرنے کے بعد عازمِ حج حلق و قصر کرا کر احرام کھول دے گا۔ اس طرح اس پر آٹھ ذوالحجہ یعنی حج کے ارادے سے احرام باندھنے تک احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ آٹھ ذوالحجہ سے حج کے لئے دوسرا احرام باندھنا پڑتا ہے۔ یہ حج صرف میقات کے باہر سے آنے والے ہی ادا کر سکتے ہیں۔ حجِ تمتع کرنے والا حاجی مُتَمَتِّع کہلاتا ہے۔

حجِ افراد:

حجِ افراد اس طریقۂ حج کو کہتے ہیں جس میں صرف حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ عازمِ حج اس میں عمرہ نہیں کرتا بلکہ وہ صرف حج ہی کر سکتا ہے۔ احرام باندھنے سے حج کے اختتام تک عازمِ حج کو مسلسل احرام کی شرائط کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔ حجِ افراد کرنے والے حاجی کو مفرد کہتے ہیں۔

اس ابتداء کے بعد اب سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں:

حجِ تمتع اور حجِ قران ادا کرنے والے پر استطاعت کی صورت میں قربانی (ہدی) واجب ہے اور حج افراد کرنے والے کے لیے مستحب ہے۔ قارن یا مُتَمَتِّع اگر استطاعت نہ ہونے کے سبب جانور ذبح نہ کر سکے تو پھر روزے رکھے گا، جن کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں یوں بیان فرمائی ہے کہ:

فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ. (البقرة، ۲: ۱۹۶)

پھر جو کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی قربانی میّسر آئے (کر دے)، پھر جسے یہ بھی مُیّسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے (زمانۂ) حج میں رکھے اور سات جب تم حج سے واپس لوٹو، یہ پورے دس (روزے) ہوئے، یہ (رعایت) اس کے لئے ہے جس کے اہل و عیال مسجدِ حرام کے پاس نہ رہتے ہوں (یعنی جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو)، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

قارن اور متمتع کی یہ قربانی 'دمِ شکر' کہلاتی ہے اور ایامِ نحر (10، 11 اور 12 ذوالحجہ) کو حلق یا قصر سے پہلے منٰی یا حدودِ حرم میں یہ قربانی کرنا واجب ہے، جبکہ مفرد کے لیے دمِ شکر مستحب ہے' واجب نہیں۔

قربانی کی دوسری صورت وہ ہے جسے عرفِ عام میں بقر عید کی قربانی کہا جاتا ہے جو ہر صاحبِ استطاعت و مقیم پر واجب ہوتی ہے' خواہ وہ حج کرنے جائے یا نہ جائے۔ اس کے وجوب کے لیے کسی بھی مسلمان کا مقیم اور صاحبِ استطاعت ہونا شرط ہے۔ اگر حاجی مسافر ہے یعنی مکہ میں اس کا قیام پندرہ دن سے کم ہے یا دمِ شکر کے علاوہ قربانی کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس پر دمِ شکر کے علاوہ قربانی واجب نہیں ہو گی۔ اس کے برعکس اگر حاجی صاحبِ

استطاعت ہے اور ایامِ قربانی کے دوران مکہ مکرمہ میں مقیم ہے‘ یعنی مکہ مکرمہ میں اس کا قیام پندرہ دن ہے یا مکہ میں ہی مستقل رہائش پذیر ہے تو اس پر جانور قربان کرنا واجب ہے۔ اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ یہ دوسری قربانی چاہے تو مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں ذبح کرلے، چاہے اپنے وطن میں قربانی کی رقم بھیج دے یا وطن میں کسی کو قربانی کرنے کا کہہ دے۔ اگرچہ منٰی میں قربانی کرنے کا ثواب ساری دنیا کی تمام جگہوں سے زیادہ ہے، لیکن کسی بھی جگہ قربانی کرنے سے واجب ادا ہو جائے گا۔ امام کاسانی فرماتے ہیں:

وَذَكَرَ فِى الْأَصْلِ وقال وَلَا تَجِبُ الْأُضْحِيَّةُ على الْحَاجِّ وَأَرَادَ بِالْحَاجِّ الْمُسَافِرَ فَأَمَّا أَهْلُ مَكَّةَ فَتَجِبُ عليهم الْأُضْحِيَّةُ.

الاصل میں ہے کہ حاجی پر (دمِ شکر کے علاوہ) قربانی واجب نہیں ہے۔ یہاں مراد مسافر حاجی ہے جبکہ اہل مکہ حج کریں تو اُن پر قربانی واجب ہو گی۔ (الکاسانی، بدائع الصنائع، ۵: ۶۳)

اور امام محمد بن علی بن محمد حصکفی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

(عَلَى حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيمٍ) بِمِصْرٍ أَوْ قَرْيَةٍ أَوْ بَادِيَةٍ، فَلَا تَجِبُ عَلَى حَاجٍّ مُسَافِرٍ؛ فَأَمَّا أَهْلُ مَكَّةَ فَتَلْزَمُهُمْ وَإِنْ حَجُّوا.

(عمومی قربانی واجب ہے) آزاد مسلمان مقیم پر جو شہر، دیہات یا جنگل میں مقیم ہو۔ یہ مسافر حاجی پر واجب نہیں ہے، جہاں تک اہل مکہ کا تعلق ہے تو ان پر (مقیم ہونے کے سبب صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں) قربانی واجب ہو گی اگرچہ وہ حج کریں۔ (حصکفي، الدر المختار، ۶: ۳۱۵)

حاصل کلام یہ ہے کہ حجِ قران کرنے والے اور حجِ تمتع کرنے والے پر صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں صرف پہلی قسم کی قربانی یعنی دمِ شکر لازم ہے اور مقیم و صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں دونوں قسم کی قربانیاں یعنی دمِ شکر کے علاوہ بقر عید کی قربانی بھی لازم ہو گی۔ استطاعت نہ ہونے کی صورت میں قارن یا متمتع دس روزے رکھے گا جن کی ترتیب اوپر بیان کر دی گئی ہے۔ حجِ افراد کرنے والے پر دمِ شکر نہیں ہے البتہ اس کے مقیم اور صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں صرف بقر عید کی قربانی واجب ہو گی، اور اگر مقیم نہ ہو یا حج کے ضروری اخراجات کے علاوہ جانور خریدنے کی استطاعت نہ ہو تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہو گا۔

سوال: کیا حج سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟

جواب: متفق علیہ حدیث مبارکہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من حج هذا البيت، فلم يرفث، ولم يفسق، رجع كما ولدته امه. (بخاری، الصحیح، ۲: ۶۴۵، رقم: ۱۷۲۳)

’’جس نے اس گھر (کعبہ) کا حج کیا اور وہ نہ تو عورت کے قریب گیا اور نہ ہی کوئی گناہ کیا تو (تمام گناہوں سے پاک ہو کر) اس طرح واپس لوٹا جیسے اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔‘‘

وہ متعدد احادیث مبارکہ ہیں جن میں اسی طرح کا مضمون بیان ہوا ہے، شارحین حدیث نے اس حوالے سے مختلف آراء پیش کی ہیں:

۱۔ حج کرنے سے صرف گناہِ صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔

۲۔ صغیرہ، کبیرہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو حقوق اللہ میں آتے ہیں، لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے ہیں۔

۳۔ تیسری رائے یہ ملتی ہے کہ حقوق اللہ، حقوق العباد اور صغیرہ و کبیرہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بہر حال ہمیں اس بحث و مباحثہ میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس کو بھی حج و عمرہ کی سعادت نصیب ہو، اسے صدق دل سے اور خلوصِ نیت کے ساتھ اس عمل کو اچھی طرح سرانجام دینا چاہیے۔ باقی معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اس کی مرضی جتنا اجر دے۔ یہ تو ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایک شخص گنہگار و سیاہکار ہو، وہ صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے، وہ اس کو معاف فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ تو نیتوں کے بھید جانتا ہے۔ صدقِ دل اور خلوصِ نیت ہو تو بعید نہیں کہ سب کے سب گناہ معاف ہو جائیں۔ اگر کوئی ہو ہی ظلم کرنے والا، ڈاکو، قاتل اور دھوکہ باز اور وہ حج بھی اسی نیت سے کرے کہ لوگ اس کو نیک سمجھیں اور اس کے فریب میں آتے رہیں تو ایسے حج و عمرہ، نماز، روزہ وغیرہ اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہوں گے۔

سوال: قربانی کی فضیلت بیان فرمائیں؟

لغت میں قربانی کا مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ

القربان مایتقرب به الی اللہ وصارفی التعارف اسماً للنسیکة التی هی الذبیحة۔ (المفردات للراغب ص ۴۰۸)

”قربانی وہ چیز جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے، اصطلاح شرع میں یہ قربانی جانور ذبح کرنے کا نام ہے۔“

ارشاد فرمایا:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ اللهُ مِنْ مبَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ۔ (الحج، ۲۲:۳۴)

”اور ہم نے ہر امت کے لئے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں، اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپائیوں پر۔“

احادیث مبارکہ میں بھی قربانی کی فضیلت کو واضح کیا گیا ہے:

۱۔ امام ترمذی وابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَاعَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وِانَّه، لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْابِهَا نَفْسًا۔

(مشکوٰۃ ص۱۲۸ باب الاضحیہ)

”ابن آدم نے قربانی کے دن خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ خدا کے حضور پسندیدہ کوئی کام نہیں کیا اور بے شک وہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور بے شک خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں مقام قبول میں پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔“

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کرتے وقت دعا فرماتے:

بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ

”الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی آل اور آپ کی امت کی طرف سے قبول فرما۔“ (مشکوٰۃ ص ۱۲۷)

دوسری روایت میں ہے کہ

اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ۔

”الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے ان امتیوں کی طرف سے قبول فرما جو قربانی نہیں کرسکے۔“ (مشکوٰۃ ص ۱۲۸)

۳۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کو لٹا کر یہ پڑھا:

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَه، وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ اَكْبَرُ۔

”بے شک میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ملت ابراہیم پر یکسو ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔ بے شک میری نماز اور قربانی میری زندگی اور موت اللہ پروردگار عالمیاں کے لئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ الٰہی تجھ سے اور تیرے لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت کی طرف سے اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ پھر ذبح فرمایا۔“ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ دارمی، مشکوٰۃ ص ۱۲۸)

۴۔ احنش کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا، میں نے پوچھا یہ کیا؟ فرمایا:

اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ۔ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس بات کی وصیت فرمائی تھی کہ میں حضور کی طرف سے قربانی کروں۔ سو میں سرکار کی طرف سے (بھی) قربانی کرتا ہوں۔“ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہ، مشکوٰۃ ص ۱۲۸)

سبحان اللہ! کیسے سعادت مند ہیں وہ اہل خیر، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آج بھی عمدہ قربانی دیتے ہیں۔ یقیناً آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح خوش ہو گی اور یقینا اس کے طفیل ان کی اپنی قربانی بھی شرف قبولیت پائے گی۔

۵۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، يَارَسُوْلَ اللهِ مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِيْ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ علیہ السلام قَالُوْا فَمَالَنَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَالصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ہمارے لئے ان میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے نیکی۔ عرض کی: یارسول اللہ! اون کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اون کے ہر بال بدلے نیکی ہے۔“ (احمد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اُمِرْتُ بِیَوْمِ الْاَضْحٰی عِیْداً جَعَلَهُ اللهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ، قَالَ لَهُ، رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللهِ، اَرَاَیْتَ اِنْ لَمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِیْحَةً اُنْثٰی اَفَاُضَحِّیْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰکِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَاَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِیَّتِكَ عِنْدَ اللهِ۔

”حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قربانی کے دن عید منانے کا حکم دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے مقرر کی ہے۔ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ بتائیں کہ اگر میرے پاس منیحہ مؤنث (وہ جانور جو کوئی شخص دوسرے کو دودھ، اون وغیرہ کا فائدہ اٹھانے کے لئے کچھ عرصہ کے لئے دے، بعد میں واپس کر لے) کے سوا کچھ نہ ہو، کیا اسی کی قربانی کر دوں؟ فرمایا نہیں، تم اپنے بال اور ناخن تراشواؤ، مونچھیں ترشواؤ (نہ کہ مونڈھواؤ) زیر ناف بال مونڈھو۔ اللہ کے ہاں تمہاری یہی مکمل قربانی ہے۔“

(ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ ص ۱۲۹)

آپ نے قربانی کا مفہوم کتنا عام فرمادیا کہ اہل ثروت بھی عمل کر سکیں اور عام مفلس مسلمان بھی۔ خیر و برکت کا دریا بہہ رہا ہے، کہ ہر پیاسا سیراب ہو۔

سوال: قربانی کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: اگر شرعِ متین میں بیان کردہ قربانی کی تمام شرائط کسی شخص کے ہاں موجود ہوں، تو اس پر قربانی واجب ہے اور اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس صورت میں قربانی واجب نہیں بلکہ سنت و نفل ہو گی۔ وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ مسلمان ہونا: چنانچہ غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔

۲۔ مقیم ہونا: چنانچہ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ شرعاً مسافر وہ شخص ہے جو اپنے شہر کی حدود سے تقریباً 48 میل (تقریباً 78 کلو میٹر) دور جانے کے ارادے سے نکلا ہو، یا 48 میل (تقریباً 78 کلو میٹر) دور کسی مقام پر پہنچ چکا ہو اور اس نے پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو یا اگر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو یہ شخص کہیں آنے جانے میں اپنی مرضی کا مالک نہ ہو بلکہ کسی دوسرے شخص کی مرضی کے تابع ہو، جیسے بیوی شوہر کے تابع ہے یا نوکر اپنے مالک کے حکم کے تابع ہے اور جس کے تابع ہیں، اس نے پندرہ دن سے کم کی نیت کی ہے۔

۳۔ مالک نصاب ہونا: اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی مالیت کی رقم یا اتنی مالیت کا تجارت کا مال یا اتنی مالیت کا ضروریاتِ زندگی سے زائد سامان ہو اور اس پر اتنا قرضہ نہ ہو کہ جسے ادا کرنے سے مذکورہ نصاب باقی نہ رہے۔

۴۔ بالغ ہونا: چنانچہ نابالغ پر قربانی واجب نہیں۔ نابالغ شخص صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو، اس پر قربانی واجب نہیں۔

قربانی کا وجوب قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ (الکوثر، ۱۰۸: ۲)

پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھا کریں اور قربانی دیا کریں (یہ ہدیہ تشکّر ہے)۔

درج بالا آیتِ مبارکہ میں اِنْحَرْ صیغہ امر ہے اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب امر کو مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے وجوب مراد ہوتا ہے۔ لہٰذا اس آیت سے قربانی کا واجب و ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت مخنف بن سلیمؓ فرماتے ہیں کہ ہم عرفہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے تھے، آپ نے فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّ عَلٰی کُلِّ اَهْلِ بَیْتٍ فِیْ کُلِّ عَامٍ اُضْحِیَّةً.

’اے لوگو! ہر سال ہر گھر والے پر ایک قربانی واجب ہے۔

(احمد بن حنبل، مسند احمد، ۴: ۲۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ کَانَ له سعة فلم یضح، فلا یقربن مصلانا.

”جو آسودہ حال ہونے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔“

(ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۱۲۳)

مذکورہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے قربانی کرنے کا حکم فرمایا اور قربانی نہ کرنے والوں پر اظہارِ ناراضگی فرمایا ہے۔ ناراضگی کا اظہار اسی مقام پر ہوتا ہے جہاں کوئی چیز واجب و ضروری ہو۔

سوال: قربانی کے وجوب کیلئے کتنا مال ہونا شرط ہے؟

جواب: جن فقہاء کرام کی رائے کے مطابق وسعت و آسانی رکھنے والے شخص پر قربانی واجب ہوتی ہے، ہماری رائے بھی انہی کے مطابق ہے۔ ضروریاتِ اصلیہ کے علاوہ وسعت وآسانی رکھنے والے شخص پر قربانی واجب ہوتی ہے یعنی جس کے پاس گھریلو ضروریات کے علاوہ اس قدر مال موجود ہو کہ وہ قربانی کا جانور خرید سکے تو اس پر قربانی واجب ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی کسی شخص پر قربانی واجب ہونے کی تین شرائط لکھتے ہیں:

اَلْإِسْلَامُ وَالْإِقَامَةُ وَالْيَسَارُ الَّذِي يَتَعَلَّقُ بِهِ وُجُوبُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ.

مسلمان ہونا، مقیم ہونا اور ایسی خوشحالی ہونا جس کے ساتھ صدقہ فطر کا وجوب متعلق ہوگا۔

(حصكفي، الدر المختار، باب جناية البهيمة، ٦: ٣١٢)

علامہ شامی خوشحالی کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”اس کی یہ صورت ہے کہ وہ دو سو درہم کا مالک ہو یا ایسے سامان کا مالک ہو جو اس کے دو سو درہم کے مساوی ہو۔ یہ اس کی رہائش، لباس کے کپڑے، یا اس سامان کے علاوہ ہو جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس کی جائیداد ہو جس سے منافع حاصل کرتا ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس پر قربانی لازم ہوگی، اگر اس منافع کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اس جائیداد سے سال بھر کی خوراک حاصل ہوتی ہو تو قربانی لازم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ماہ بھر کی خوراک حاصل ہوتی ہو تو قربانی لازم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نصاب بھر مال بچ جائے تب قربانی لازم ہوگی۔ اگر جائیداد وقف ہو، اگر قربانی کے دنوں میں نصاب ثابت ہو تو قربانی لازم ہوگی۔“

(ابن عابدين شامي، رد المحتار، كتاب الأضحية، ٦: ٣١٢)

امام ابن نجیم فرماتے ہیں:

وَلَوْ كَانَ لَهُ أَرْضٌ يَدْخُلُ عَلَيْهِ مِنْهَا قُوتُ السَّنَةِ فَعَلَيْهِ الْأُضْحِيَّةُ حَيْثُ كَانَ الْقُوتُ يَكْفِيهِ وَيَكْفِي عِيَالَهُ، وَإِنْ كَانَ لَا يَكْفِيهِ فَهُوَ مُعْسِرٌ.

اگر کسی کے پاس ایسی زمین ہو جس سے اس کو ایک سال کا پورا خرچ حاصل ہوتا ہو، اس پر قربانی واجب ہے۔ اگر یہ خرچ اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے کافی ہو اور اگر کافی نہ ہو تو وہ تنگدست ہے۔ (ابن نجيم، البحر الرائق، كتاب الأضحية، ٨: ١٩٨)

مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق جس زمین سے سال بھر یا مہینے کی خوراک حاصل ہوتی ہے، اس زمین کے مالک پر قربانی لازم ہے۔ ایسے شخص کے پاس اگر ان دو پلاٹوں کے علاوہ ایام قربانی میں جانور خریدنے کے لیے مال نہ ہو تو قربانی واجب نہ ہوگی۔ محض قربانی کا جانور خریدنے کے لیے پلاٹ فروخت کرنا لازم نہیں ہے۔

سوال: کیا صاحب نصاب کے لیے عید قربان پر جانور ذبح کرنا ضروری ہے؟ کیا قربانی کی رقم نقد بطور صدقہ کسی کو دی جاسکتی ہے؟

جواب: صاحبِ نصاب مسلمان مرد و عورت پر ایام النحر (10 ذوالحجہ کے طلوعِ صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک) میں جانور قربان کرنا واجب ہے۔ قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے واجب ادا نہیں ہوتا۔ اس دن کا صدقہ یہ ہے کہ جانور ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا أُنْفِقَتِ الْوَرِقُ فِي شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ نَحِيرَةٍ فِي يَوْمِ عِيدٍ.

کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عید الاضحی کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے افضل نہیں۔

(طبراني، المعجم الكبير، ٤: ٨٣، رقم: ١٤٩٣)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ.

اس دن میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (قربانی کے جانور کا) خون بہانے سے بڑھ کر بنی آدم کا کوئی عمل پسندیدہ نہیں ہے۔

(ترمذي، السنن، ٤: ٨٣، رقم: ١٤٩٣)

جس شخص کے ذمہ قربانی واجب تھی لیکن کسی وجہ سے ایام النحر میں اس نے قربانی نہیں کی تو اس کے بعد قربانی کی نیت سے جانور ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس شخص کو توبہ واستغفار کرنی چاہئے اور قربانی کے جانور کی مالیت کے برابر صدقہ خیرات کر دینا چاہیے۔

❁❁❁❁❁

فلسفۂ خودی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

تصورِ خودی اصل میں نظریہ اخلاق ہے جو قرآن و حدیث اور اکابر صوفیا کی تعلیمات سے ماخوذ ہے

ڈاکٹر شفاقت علی شیخ

''خودی'' کی اصطلاح اردو ادب میں لفظی و لغوی معنی کے طور پر کئی ایک مفہوم لیے ہوئے ہے۔ مثلاً انانیت، خود پرستی، خود مختاری، خود سری، خود غرضی، غرور، نخوت، تکبر وغیرہ۔ خودی کا مفہوم شروع میں بالعموم مذکورہ منفی معنوں میں ہی استعمال ہوتا رہا ہے لیکن بعد ازاں اس لفظ کو خود پرستی، غرور اور تکبر کی بجائے انسان کی عظمت، حقیقت اور جوہر تخلیق کے مفہوم میں استعمال کیا جانے لگا۔ خودی کے اس مثبت مفہوم کو جب ہم قرآن و حدیث پر پیش کرتے ہیں تو یہ ہمیں اسلام کی اس تعلیم سے ماخوذ نظر آتا ہے کہ

من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ (مرقاۃ المفاتیح، ۱: ۲۴۶)

''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

اس کے مطابق عرفانِ ذات، خود آگاہی، ایمان و یقین کی گہرائی، جرأت و شجاعت، عزم و استقلال، ذوقِ تسخیر اور کائنات کو مسخر کر کے توحید کا راز آشکار کرنے والی قوت کا نام خودی ہے۔

خودی کا دائرہ کار

خودی کے مذکورہ مفہوم کی روشنی میں اس کا دائرہ کار درج ذیل امور کو محیط ہے:

(۱) خود شناسی:

خود کو جاننا، اپنی ذات کا عرفان حاصل کرنا، اپنی خوبیوں اور خامیوں سے آگہی، خوبیوں کو چمکانا اور خامیوں پر قابو پانا۔ اپنے مقامِ بلند کو جان لینا۔ اپنے مقصدِ تخلیق کو پہچان لینا اور اس مقصد کی تکمیل کے ذریعے خالق کا قرب اور خوشنودی حاصل کرنا۔

(۲) خود نگری:

اپنی نگرانی کرنا۔ خود کو شرک، بدعت، کمزوری، بزدلی اور اخلاق و کردار کی دیگر تمام خامیوں سے پاک رکھنے کی کوشش کرنا، اس لیے کہ ان میں سے ہر عیب خودی کے لیے زہر ہے۔

(۳) خود گری و خود نمائی:

خود کو بنانا، اپنی شخصیت کی تعمیر و ترقی میں کوشاں رہنا، بلندیوں کی طرف بڑھنا، فطرت کی ودیعت کردہ صفات کو اجاگر کرنا اور اپنے جوہر ملکوتی کو پہچان کر اسے چمکانا۔ کیونکہ گوہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

(۴) خود گیری:

اپنا احساب کرنا، ہر وقت اور ہر دور میں، ہر منزل پر سختی سے خود احتسابی کرتے رہنا تاکہ اعمال و کردار پاکیزہ ہوتے چلے جائیں، شخصیت سنورتی اور نکھرتی چلی جائے اور انسان اپنے اس مقام و مرتبے پر فائز ہو سکے جس کے لیے اسے تخلیق کیا گیا ہے۔

خودی کا اصل مقام انسانی ذات ہے جو پیدائش سے لے کر موت اور پھر بعد از موت بتدریج آگے بڑھتی جاتی ہے۔ تربیت سے خودی بے حد مضبوط ہو جاتی ہے جس وجہ سے موت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہے۔ وہ خدا کے روبرو بھی اپنا مقام رکھتی ہے اسی لیے ہمہ وقت اس جہانِ فانی میں برسرِ پیکار رہتی ہے۔

خودی کی تربیت کے اہم مراحل

خودی کو توانا اور مستحکم رکھنے، اسے تکمیل تک پہنچانے اور اس سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کے لیے اس کی باقاعدہ تربیت کی ضرورت ہے تاکہ وہ نہ تو کمزور ہو اور نہ ہی اِدھر اُدھر بھٹکنے پائے اور ایک تسلسل کے ساتھ ترقی و ارتقاء کے سفر کو جاری رکھے۔ اب سوال یہ ہے کہ خودی کی تربیت کیسے ممکن ہے۔۔۔؟ کس طرح انسان خودی کو تربیت دے کر اسے بہترین بناسکتا ہے۔۔۔؟ وہ کون سے عوامل ہیں جو انسانی خودی کو تربیت دیں تو وہ مثالی خودی بن جائے۔۔۔؟

خودی کو زندہ رکھنے اور اسے مثالی حالت تک لے جانے کے لیے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ خوب سے خوب تر کی جستجو ہی خودی کو نکھارتی ہے۔ خودی کے حصول اور اسے سنوارنے کی اخلاقی جدوجہد ہی مقامِ بندگی ہے۔ یہی مقام انسان کو دیگر مخلوقات سے منفرد کرتا ہے۔

تربیتِ خودی کے اہم اور ضروری مراحل درج ذیل ہیں:

(۱) اطاعت

اطاعت خودی کی تکمیل کا پہلا اور اہم مرحلہ ہے اس سے مراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ اطاعت سے خودی کو اپنی آزادی کی حدود متعین کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ خدا کی حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ کو برضا و رغبت تسلیم کرلینا اطاعتِ خداوندی ہے۔ اپنی زندگی کو نظامِ خدا کے قوانین و ہدایات کے مطابق ڈھالنا اطاعت کا لازمی حصہ ہے۔ خدائی ہدایات اور آئین کے تحت زندگی بسر کرنا اور تمام تر معاملاتِ زیست انہی بنیادوں پر استوار کرنا اپنی انا اور خودی کی صحیح تربیت کرنے کی ابتدا ہے۔ اس طرح انفرادی زندگی کی تربیت سے پورا معاشرہ اطاعت کی زندگی گزارتا ہے۔ یہی خودی کی مثبت تربیت کا پہلا مرحلہ ہے۔ اگر ابتدا ایسے مثبت ہوگی تو پھر اگلے مرحلہ میں داخل ہونے کے ہم اہل ہوسکیں گے۔ آئین خداوندی کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ انفرادیت کے ساتھ ساتھ پورا معاشرہ اطاعتِ خداوندی کرتے ہوئے خدا کی حاکمیت کو تسلیم کرے جس سے مسرت اور تسکینِ قلب حاصل ہوتی ہے۔

تربیتِ خودی میں اطاعت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر اطاعت نہ ہو تو کوئی فرد کسی بھی نوعیت اور حالت میں ترقی نہیں کرسکتا ہے۔ اطاعت حقیقت میں عبودیت ہے جو عبادت کی اصل بنیاد ہے یعنی انسان ایک ایسی مطلق ہستی کی اطاعت کرتا ہے جس نے انسان کو ایک وجود کے ساتھ بے شمار خوبیاں عطا کی ہیں۔

(۲) ضبطِ نفس

جب انسان اطاعت میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے تو پھر دوسرا مرحلہ ضبطِ نفس کا آتا ہے جس میں انسان کو اپنی طبیعت، مزاج، عادات اور جذبات پر قابو حاصل ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ پہلے مرحلے میں جن چیزوں پر مجبوری کے عالم میں عمل کرنا ہوتا ہے، دوسرے مرحلے میں وہ چیزیں طبیعت اور مزاج کا حصہ بن جاتی ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونا آسان ہوجاتا ہے۔ ضبط نفس کے حصول کے لیے ارکانِ اسلام کی پابندی سے مثبت نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ توحید و رسالت، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج یہ ارکان بنیادی طور پر وہ وسائل ہیں جن سے ضبطِ نفس پیدا ہوتا ہے۔ ضبطِ نفس کے مرحلہ کو پورا کرنے کے لیے ارکانِ اسلام پر ایمان لانا اور عمل کرنا ضروری ہے۔

(۳) نیابتِ الٰہی

خودی کی تربیت کا تیسرا اور آخری مرحلہ نیابتِ الٰہی کا تصور ہے۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کا احساسِ ذمہ داری ہے۔ اس مرحلہ میں داخل ہونے کے بعد انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہوجاتا ہے۔ جو شخص نائب الٰہی اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کا مستحق ٹھہرتا ہے وہی انسان کامل ہے۔ انسانِ کامل کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہ انسان کے روحانی ارتقاء کا خلاصہ ہے۔ خودی اپنی انتہا تک پہنچنے کے لیے بے حد تگ و دو کرتی ہے پھر جاکر ایک انسانِ کامل پیدا ہوتا ہے۔ اس دانائے راز کا ظہورِ حقیقت حضور نبی اکرم ﷺ

کی صورت میں ہمارے رہنما کی حیثیت سے موجود ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب، ۳۳: ۲۱)

”فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے۔“

انسان حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کو نمونہ قرار دے کر انسانِ کامل بننے کی کوشش کر سکتا ہے۔ انسان نائب الٰہی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسانِ کامل ہی دنیا میں خدا کا حقیقی نائب اور انسانیت کا صحیح علمبردار اور حقیقی حکمران ہے۔ وہ جس ہمت و کاوش سے خدا کے قریب جاتا ہے، خدا اتنا ہی اس کو اپنے قریب تر کرلیتا ہے۔ اس عمل سے انسان درجۂ کمال تک پہنچنے کی طرف بڑھتا ہے۔ یہ سب کچھ انسان کے اعمال پر منحصر ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر کے انسانِ کامل بن سکتا ہے۔ انسانِ کامل دراصل کامل ترین خودی ہے۔

خودی کے ضعف و استحکام کا معیار

وہ اعلیٰ اقدار جن کو ملحوظِ خاطر رکھ کر انسان خودی کی منازل کو طے کر سکتا ہے۔ ان اقدار کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ایجابی اقدار ۲۔ سلبی اقدار

(ا) خودی کی ایجابی اقدار

وہ اقدار جن پر عمل کرنے سے خودی مستحکم ہوتی ہے اور خودی کی تکمیل کے لیے جنہیں اپنانا ضروری ہے، وہ خودی کی ایجابی اقدار کہلاتی ہیں۔ خودی کی ایجابی اقدار میں درج ذیل اقدار نہایت اہم ہیں:

i۔ عشق

استحکام خودی کے لیے جن اخلاقی اقدار کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ ان میں عشق بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ روایتی عشق اپنے آپ کو محبوب میں مستغرق کر دینا سکھاتا ہے۔ جبکہ محبوب کو اپنی ذات میں جذب کر لینے کا نام عشق ہے۔ عشق ہی وہ مرحلہ ہے جو خودی کو استحکام بخشتا ہے۔ عشق و محبت سے مراد اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت ہے جو مومن کا کل سرمایہ ہوتا ہے۔ یہ سرمایۂ عشق اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور محبت سے ہی ممکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس جذبۂ عشق کے بغیر مومن نہ تو معرفتِ حق حاصل کر سکتا ہے اور نہ اس کی رضا کا حقدار بن سکتا ہے جو تمام عبادات کا مقصود و مدعا ہے۔ علاوہ ازیں عشق بندۂ مومن کو غیر معمولی جرأت و ہمت بھی عطا کرتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے جس کی بدولت انسان خطرات میں کود پڑتا ہے اور بڑے بڑے معرکے سرانجام دیتا ہے۔ اقبال نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

ii۔ فقر و استغناء

خودی کا دوسرا رکن فقر ہے۔ فقر طریقت کی ایک اصطلاح ہے۔ انسانی خودی کی تکمیل تب ہوتی ہے جب اس میں شانِ فقر پیدا ہو جائے۔ گویا کہ تکمیلِ خودی اور فقر ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ فقر کو عام طور پر بے کسی، مسکینی، مجبوری اور رہبانیت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقی فقر و استغناء سے مراد وہ بے نیازی ہے جسے مادی وسائل کی موجودگی اور غیر موجودگی کا خیال تک نہ ہو۔ اگر یہ وسائل میسر ہوں تو انسان ان میں منہمک نہ ہو جائے اور اگر یہ وسائل میسر نہ ہوں تو ان کے حصول کے لیے بے چین اور مضطرب نہ ہو۔ وہ ان سے بے نیاز ہو نہ کہ ان کے متعلق فکر مند۔ یہ فقر ایسا فقر ہے جو مادی وسائل کو حاصل کرنے یا ان کی حفاظت کے لیے اعلیٰ اقدار کو قربان نہیں کرتا۔ اس کی نگاہ میں شانِ سکندری بھی ہیچ ہے۔ بالفاظ دیگر دل کو حرص و ہوس سے پاک کر کے تھوڑے پر قناعت کر لینے، غیر اللہ سے بے نیاز ہو جانے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا نام فقر ہے۔

فقر ذہن کی ایسی کیفیت کا نام ہے جس کے مطابق انسان کسی اعلیٰ نصب العین کے لیے کوشاں رہتا ہے لیکن اس کے

لیے کسی معاوضہ کا طلبگار نہیں ہوتا۔ وہ اپنے آپ کو دنیوی حرص و لالچ اور مادی سامانوں سے بہت اوپر اٹھالیتا ہے۔اس طرح ان صفات کے حامل شخص یعنی فقیر کا ایک مخصوص مزاج بن جاتا ہے۔ وہ سکون و آرام کا طالب نہیں ہوتا بلکہ تبدیلی و تحرک کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اندھیروں سے لطف اٹھاتا ہے اور طوفانی موجوں سے کھیلنا پسند کرتا ہے تاکہ روح و بدن کی بالیدگی اور نشوونما کا سلسلہ جاری رہے اور خودی اپنے کمال کو پہنچ جائے۔

iii۔ جرأت وہمت

تکمیلِ خودی کے لیے جرأت رندانہ اور ہمتِ مردانہ ضروری ہے۔راستے کی تمام منزلیں جتنی بھی مشکل کیوں نہ ہوں وہ جرأت و ہمت سے ہی عبور ہوسکتی ہیں۔ یہ جرأت اور ہمت زندگی کے ہر شعبہ میں ضروری ہے کہ اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔اس میں اخلاقی اور ایمانی جرأت بھی شامل ہے۔رواداری، قوت و طاقت، یقین، جفاکشی، صبر و استقلال، حریت، مساوات، اخوت اور وحدتِ مقاصد وغیرہ بھی استحکام خودی میں ایجابی اقدار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۲) خودی کی سلبی اقدار

جس طرح خودی کے استحکام کے لیے بعض صفات کو اپنانا ضروری ہے اسی طرح خودی کو ضعف سے بچانے کے لیے بعض امور سے پرہیز ضروری ہے۔خودی کو ضعف سے بچانے اور اس کی حفاظت کے لیے جن اقدار سے بچنا ضروری ہے، وہ سلبی اقدار کہلاتی ہیں۔ان اقدار میں سے تین نمایاں اقدار یہ ہیں:

i۔ سوال اور طلب

خودی میں غیرتِ ایمانی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے بلکہ خودی کو عزتِ ایمانی کا مترادف کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ یہ عزت استغنی اور توکل سکھاتی ہے۔''سوال کرنا'' یا کسی سے کچھ ''مانگنا'' ایک ایسا عمل ہے جس سے خودی کمزور ہوجاتی ہے۔ سوال کرنے والا اپنے آپ کو کمتر ظاہر کرتا ہے اور جس سے مانگتا ہے اس کو اعلیٰ و برتر گردانتا ہے جس کی وجہ سے انسانی خودی طاقتور ہونے کے بجائے کمزور ہوجاتی ہے۔''سوال'' انسان کی وہ مذموم عادت ہے جس کی وجہ سے وہ خودداری، شرافت اور عزتِ نفس جیسی گراں مایہ چیزوں سے محروم ہوجاتا ہے۔غربت کی وجہ سے اگر کوئی شخص ذلیل ہوگیا ہے تو''سوال'' سے وہ ذلیل تر اور اگر نادار ہے تو نادار تر ہوجاتا ہے۔''سوال'' سے خودی کے اجزا متفرق، اس کی قوت زائل اور اس کا مرتبہ کم ہوجاتا ہے۔

ایجابی اقدار میں جو عظمت عشق کو حاصل ہے، سلبی اقدار میں سوال کا درجہ اتنا ہی پست ہے۔ عشق انسان کو عملی زندگی کی ترغیب دیتا ہے اور عمل سے خودی مستحکم ہوتی ہے جبکہ سوال کرنے سے انسان بے عملی اور تن آسانی کا شکار ہوجاتا ہے، جس سے خودی ضعیف اور کمزور ہوتی ہے۔ عشق مجسمِ خیر ہے جبکہ سوال مجسمِ شر ہے۔ کسی کے سامنے دست دراز کرنے سے خودی اور عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے۔ جس عمل سے خودی میں ضعف پیدا ہو اس عمل سے دوری اختیار کرنی چاہیے حتی کہ خودی کو کمزور کرنے کے بجائے موت زیادہ بہتر ہے:

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

سوال کے لفظ کا مفہوم دینی اقدار اور روح دین کے پیشِ نظر بہت وسیع ہے۔ ہر وہ چیز سوال میں داخل ہے جو ذاتی کوشش اور شخصی جدوجہد کے بغیر حاصل ہو۔ محنت و مشقت سے جو پھل ملتا ہے وہ یقیناً اطمینانِ قلب کا باعث بنتا ہے۔ جس شخص کو بغیر محنت کئے ہوئے مال و دولت ورثے میں ملے، وہ بھکاری ہے کہ اس نے اس کے حصول کے لیے کسی قسم کی محنت نہیں کی۔ اسلام نے تو اس رزق کو حلال ہی نہیں سمجھا بلکہ اسے سود سے تشبیہ دی ہے۔ ایسے لوگ جو خود کو دینی رہنما اور پیشوا سمجھتے ہیں اور ان کا ذریعۂ روزگار مریدوں اور عقیدت مندوں کے عطیات ہیں، انہیں اپنے طرزِ عمل پر غور کرنا ہوگا۔

خدا کی ایک صفت بے نیازی ہے، انسان بھی اگر اپنے اندر شانِ بے نیازی پیدا کرے تو وہ مانگنے یعنی سوال کرنے کی ذلت سے بچ سکتا ہے۔ بے نیازی میں انسان کی خودداری، شرافت اور عزتِ نفس پنہاں ہے۔

ii۔ جامد تقلید

خودی کی تکمیل کی راہ میں جامد تقلید کی روش بھی ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ جامد تقلید بہت سی اعلیٰ صفات کو ختم کر دیتی ہے۔ وہ فکر و عمل کے لیے سمِ قاتل ہے۔ جامد تقلید تلاشِ حق کی راہ میں ایک ایسا سنگِ گراں ہے کہ جب تک اسے راستہ سے ہٹایا نہ جائے حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔

تاہم ایک مقام ایسا ہے جہاں تقلید کی اجازت ہے بلکہ ضروری ہے اور یہ وہ موقع ہے جب کوئی قوم زوال اور انحطاط کا شکار ہو چکی ہو تو اس زمانے میں قوم کے عام افراد کی ذہنی صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں اور وہ اس سطح پر آجاتے ہیں کہ اپنا برا بھلا سوچنے کی صلاحیت کھو دیتے ہیں۔۔۔ ہر چمکدار چیز کو سونا سمجھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔۔۔ ہر ایک سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔۔۔ اپنی ہر چیز کو بدتر اور دوسروں کی ہر بات کو بہتر سمجھتے ہیں۔۔۔ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ آزادئ فکر و عمل کو محدود کر دیا جائے۔ وگرنہ اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اقبال اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آزادیِ افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادئ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

iii۔ یاس، حزن اور خوف

ان تینوں کا تعلق منفی سوچ کے ساتھ ہے۔ ''یاس'' مایوسی اور ناامیدی کی کیفیت کو کہتے ہیں۔ ''حزن'' کسی نقصان یا ناخوشگوار واقعہ کے پیش آنے پر ذہن کے افسردہ اور غمزدہ ہونے کی حالت کا نام ہے جبکہ مستقبل میں پیش آنے والے کسی حقیقی یا فرضی حادثے کے متعلق سوچ کر ذہن میں پیدا ہونے والے ڈر اور پریشانی کے خیالات کو خوف کہتے ہیں۔ یہ تینوں ام الخبائث اور قاطع حیات ہیں اور جو بھی سلبی اقدار قاطعِ حیات اور زندگی کی دشمن ہوں گی وہ یقیناً خودی کی منزل تک پہنچنے میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوں گی۔ مایوسی و ناامیدی، حزن و ملال اور خوف کی قرآن وحدیث میں بھی سختی سے ممانعت آئی ہے۔

خلاصۂ کلام

تصورِ خودی اصل میں نظریۂ اخلاق ہے جو قرآن و حدیث اور اکابر صوفیاء کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ یہ نظریہ ایک طرف تو اسلامی تعلیمات کی روح کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور دوسری طرف فلسفیانہ معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس میں جہاں فرد کی ذاتی نشوونما اور تکمیل کا سامان موجود ہے، وہاں اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر ماحول اور معاشرہ میں اپنا جاندار کردار ادا کرنے کی ترغیب بھی موجود ہے۔ نظریۂ خودی کے پہلے دو مراحل تسخیرِ ذات کے حوالے سے ہیں جبکہ تیسرا مرحلہ جو کہ نیابتِ الٰہی ہے وہ ایک بندۂ مومن سے ماحول کو مسخر کرنے اور اس کی اصلاح کے حوالے سے اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کا تقاضا کرتا ہے جو کہ خلافتِ ارضی کے منصب کا تقاضا ہے۔

نظریۂ خودی کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ آسان، عام فہم اور قابلِ عمل ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ اطاعتِ الٰہی یعنی قرآن و سنت کی تعلیمات کی پابندی سے کام شروع کرنا ہے، ابتداء میں اس پابندی کے لیے خود پر کچھ جبر کرنا پڑے گا، رفتہ رفتہ طبیعت کے اندر نظم و ضبط پیدا ہوگا اور خوش دلی سے عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ جوں جوں انسان آگے بڑھتا چلا جائے گا، ویسے ویسے اس میں منصبِ خلافت یعنی نیابتِ الٰہی کی اہلیت اور کمالات پیدا ہوتے جائیں گے۔ تاہم اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مختلف لوگوں کے درمیان فہم و فراست اور استعداد کا جو فطری فرق ہوتا ہے وہ برقرار رہے گا۔ تمام لوگ یکساں درجے پر نہیں ہو سکتے بلکہ ہر شخص اپنی ذہانت و فطانت، صلاحیت و استعداد اور سعی و محنت کے بقدر تکمیلِ خودی کے بلند درجہ تک جا سکے گا۔

❀❀❀❀❀

اسلامی احکامِ وراثت

اسلام نے احکام وراثت کے ذریعے ارتکازِ دولت کا خاتمہ کیا

قبل از اسلام وراثت میں عورتوں اور بچوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا

ڈاکٹر ممتاز الحسن باروی☆

شریعت کے ہر حکم کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے اور تمام شرعی احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات حکیم مطلق ہے اور ''فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة''، کسی حکیم کا فعل حکمت و دانائی سے خالی نہیں ہوتا۔ جو ذات تمام دانائیوں اور حکمتوں کا سرچشمہ ہے اس کے فیصلے اور احکام حکمتوں سے کیسے خالی ہو سکتے ہیں؟ اور قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے احکام میں غور و فکر سے ان کی حکمتیں کھل کر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ زیرِ نظر تحریر فقط اسلامی احکامِ میراث کی حکمتوں سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دیگر احکام شریعہ کے ساتھ وراثت سے متعلق بھی احکامات ارشاد فرمائے اور ورثاء کے درجات اور حصے بھی خود متعین فرمائے ہیں۔

احکام وراثت کی حکمتوں کو جاننے سے قبل وراثت کی اصطلاحی تعریف اور اسلام سے قبل معاشرے میں نظامِ وراثت کا ایک اجمالی جائزہ نذرِ قارئین ہے:

محمد علی الصابونی وراثت کا معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انتقال الملکیة من المیت الی الورثة الاحیاء سواء کان المتروك مالا او عقارا او حقا من الحقوق الشرعیة۔

(الصابونی، محمد علی، احکام الترکات والمواریث، ص: ۳۴)

''میت کی ملکیت کا زندہ وارثوں کی طرف منتقل ہونا، برابر ہے کہ وہ چھوڑا ہوا مال ہو، غیر منقولہ جائیداد ہو یا شرعی حقوق میں سے کوئی حق ہو۔''

گویا جو چیز بوقتِ وفات میت کی ملک ہو، اس کے ساتھ کسی اور کا حق متعلق نہ ہو تو اس کو ترکہ قرار دے کر اس میں احکامِ میراث جاری کیے جائیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مرنے والا شرعاً جس چیز کا مالک نہ تھا، وہ ترکہ شمار نہ ہو گی، لہٰذا اس میں میراث کے احکام بھی جاری نہ ہوں گے۔

اسلام سے قبل نظامِ وراثت

اسلامی احکامِ میراث کی حکمتیں سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عربوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے نظامِ وراثت پر ایک نظر ڈالیں جس کے بعد ہمارے سامنے اسلامی احکامِ وراثت کی حکمتیں بہتر انداز سے اجاگر ہوں گی۔

(۱) اسلام سے قبل عرب معاشرے میں نظامِ وراثت

اسلام سے قبل اہل عرب مختلف قبیلوں اور طبقوں میں بٹے ہوئے تھے، جن میں باہم آویزش اور کشمکش رہتی تھی اور وہ ایک دوسرے سے ہمیشہ برسرِپیکار رہتے تھے، اس لیے وہ تمام معاملات کو اسی پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ وراثت میں ان کے ہاں چھوٹے بچوں اور عورتوں کا کوئی حصہ نہ تھا کہ یہ لوگ جنگی صلاحیتوں سے محروم تھے اور اپنے قبیلے کی طرف سے دفاع نہیں کر سکتے تھے اور دشمنوں سے مالِ غنیمت حاصل نہیں

☆ پرنسپل کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز منہاج یونیورسٹی لاہور

سکتے تھے۔ اہلِ عرب کی معاشرتی، سماجی اور سیاسی زندگی کا انحصار مال و دولت کے حصول میں تھا اور اس مقصد کے لیے ان کے ہاں سب سے اہم طریقہ جنگ و جدال اور مالِ غنیمت کا حصول تھا اور اس کی طاقت صرف طاقتور اور جنگجو مرد ہی رکھتے تھے۔ ان کی رائے میں یہ بات بدیہی تھی کہ میراث میں سے وہی حصہ پاسکتا ہے جو مال کے کمانے اور حاصل کرنے کا ہنر جانتا ہو۔

(عبدالحی ابڑو، میراث وصیت کے شرعی ضوابط، ص: ۴۵)

(۲) یہودیت اور مسیحیت کا نظامِ وراثت

یہودیوں کے ہاں وراثت کا حقدار صرف لڑکا ہوتا ہے، اس کی موجودگی میں نہ تو میت کے والدین کا کوئی حصہ ہوتا تھا، نہ بیٹی، بیوی، شوہر اور دیگر رشتے داروں کا۔ بیوہ اور بیٹیاں اولادِ نرینہ کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں، البتہ لڑکی اگر نابالغ ہو تو بارہ سال کی عمر تک وہ باپ کے ترکے میں سے اپنا خرچہ لے سکتی ہے، اس کے بعد اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔ بیوہ بہر صورت وراثت سے محروم ہوتی ہے اور وہ ایک بوجھ سمجھی جاتی ہے۔

مسیحیت میں مختلف فرقوں کے یہاں وراثت کے سلسلے میں الگ الگ احکام ملتے ہیں، جن میں سے بیشتر احکام رومی یا یونانی قانون سے ماخوذ ہیں۔

اسلام کا نظامِ وراثت

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں تربیتِ نفس کا ایک مکمل نظام موجود ہے۔ جب اسلام نے ترقی کی تو مسلمانوں کی ظاہری و باطنی کیفیت کافی حد تک مکمل ہوگئی۔ جاہلی رسومات اور قوانین سے بیزاری کا اظہار ہونا شروع ہوا تو اسلامی احکامات کا تدریجی نفاذ شروع ہوا۔ سب سے پہلے قرآن مجید کے اندر سابقہ اسبابِ وراثت کا خاتمہ کیا گیا جو عہدِ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور کے اسباب تھے۔ سابقہ اسباب کا خاتمہ کرکے اسلام نے نئے احکامات بیان کیے۔

”ابتدائے اسلام میں نبی کریم ﷺ نے عربوں کے نظام میں تبدیلی نہیں کی تھی، وہی مروجہ نظام چلتا رہا جس کے مطابق میدان جنگ میں دادِ شجاعت دکھانے والے مردوں کو ہی وراثت ملتی تھی جبکہ بچوں اور عورتوں کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا۔“ (قرضاوی، یوسف الدین، اسلام میں غریبی کا علاج، ص: ۲۷۸،۲۷۹)

ابتدائی دور میں نبی اکرم ﷺ نے دو اسباب میراث خود سے عطا فرمائے جن میں ایک ہجرت اور دوسرا مواخات ہے۔ بعد ازاں قرآن مجید نے ہجرت اور مواخات جیسے اسباب وراثت سے بھی منع فرمادیا۔ نبی کریم ﷺ نے جو دو نئے اسباب متعارف کروائے ان میں حکمت یہ تھی کہ مہاجر مسلمان سے غریب الوطنی کی وحشت کو ختم کرکے ان میں قبائل اور خاندان سے دوری کے غم کو بھلا کر انصار اور دوسرے مہاجرین صحابہ میں انس و محبت کو پیدا کیا جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کے لیے مضبوطی کا سبب بن سکیں۔

”جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان میں اور انصار مدینہ میں بھائی چارہ قائم کردیا جس کے باعث مہاجر اپنے انصاری بھائی کا اور انصاری اپنے مہاجر بھائی کا وارث ہوتا تھا اور متوفی کا قریبی رشتہ دار اگر اس نے ہجرت نہ کی ہو، ورثہ سے محروم رہتا تھا۔“ (قرضاوی، یوسف الدین، اسلام میں غریبی کا علاج، ص: ۲۷۸،۲۷۹)

اس کا منشا غالباً یہ تھا کہ تمام مسلمان مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ چلے آئیں۔

اسلام نے کچھ عرصہ تک مذکورہ اسباب وراثت کو برقرار رکھا مگر بعد ازاں انھیں ختم کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا۔ (الاحزاب، ۳۳: ۶)

” اور خونی رشتہ دار اللہ کی کتاب میں (دیگر) مومنین اور مہاجرین کی نسبت (تقسیمِ وراثت میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں سوائے اس کے کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو، یہ حکم کتابِ (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے متبنیٰ اور مواخات کے ذریعے بھائی بننے والے مہاجرین کی نسبت خونی رشتہ داروں کو ہی وراثت کا زیادہ حقدار ٹھہرایا ہے یعنی خونی رشتہ داروں میں سے بچوں، عورتوں اور مردوں میں مقررہ حصوں کے مطابق وراثت کی تقسیم کا حکم دیا۔ ایک جگہ اور ارشاد ہوا:

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ط وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ط اِنَّ اللهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۔ (النساء، ۴: ۳۳)

”اور ہم نے سب کے لیے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال میں حقدار (یعنی وارث) مقرر کر دیے ہیں، اور جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے سو اُنہیں ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر وراثت کے قانون بیان فرمادیے اور سابقہ نظامِ وراثت کا خاتمہ کرتے ہوئے تمام اولاد کو وراثت میں شریک کردیا۔ چھوٹے بچوں اور بیٹیوں کو بھی وراثت میں حقدار بنایا تاکہ ان کے ساتھ ہونے والے استحصال کا خاتمہ ہوسکے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کے مکمل احکامات بیان فرماکر اس کی اہمیت کو واضح کردیا۔

اسلامی شریعت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وراثت کے احکامات تدریجاً نازل ہوئے۔ اگر یکبارگی نازل کردیئے جاتے تو اس سے لوگ مشقت میں پڑ جاتے۔ وہ اپنے بنائے ہوئے قانون پر صدیوں سے عمل پیرا تھے انہیں اچانک سے ان ظالمانہ قوانین سے دور کرنا محال تھا۔ اسی طرح ہجرت اور مواخات کے حوالے سے وراثت کے نظام کو بھی تدریجاً ختم کیا گیا۔ انسانی فطرت کے تناظر میں حکمت کے تحت تدریجاً احکام نازل کیے گئے اور آہستہ آہستہ زمانہ جاہلیت کے فرسودہ نظامِ وراثت کا خاتمہ کیا گیا۔

اسلامی احکامِ وراثت کی حکمتیں

اسلام میں کثیر حکمتوں پر مبنی وراثت کے حصے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود متعین فرمائے ہیں۔ ذیل میں احکام وراثت کی ان حکمتوں کو بیان کیا جاتا ہے جو وراثت سے متعلق اسلامی لٹریچر سے اخذ کی گئی ہیں:

(۱) تقسیم دولت

اسلامی نظامِ وراثت میں تقسیم زر کے مسئلہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام ایسے طریقوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے جن سے کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ لیکن وہ اساسی طور پر اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ہر شخص جدا جدا صلاحیتیں لے کر پیدا ہوا ہے، اس لیے ہر ایک کو صلاحیت کے مطابق ہی ملے گا۔ البتہ عدم صلاحیت یا کم صلاحیت کی وجہ سے لوگ محروم رہ جائیں یا کم حصہ پائیں، ان کا حق ان لوگوں کے زر پر قائم رہتا ہے جو زیادہ صلاحیت کی وجہ سے اپنی ضرورت سے زیادہ کماتے ہیں۔ اس طرح اسلام بغیر کسی کشمکش کے ایسے راستے پیدا کردیتا ہے جن کے ذریعے زیادہ دولت کی مقدار خود بخود کم زر والوں تک پہنچ جاتی ہے۔

اسلامی نظام وراثت کے ذریعے دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے کی بجائے خاندان کے مختلف افراد میں تقسیم ہوجاتی ہے جس سے معاشرتی فلاح وبہبود میں بہتری آتی ہے اور مساویانہ تقسیم دولت کے ذریعے گردش دولت کو فروغ ملتا ہے۔ اسلام نے اس سلسلے میں سرمایہ داری کے خلاف جہاد کرتے ہوئے قانونِ وراثت کے ذریعے تقسیمِ دولت کی راہ کھول دی۔

(۲) ارتکازِ دولت کا خاتمہ

اسلام نے ملکیت کا جو تصور دیا ہے اس میں اموال اور غیر منقولہ جائیدادیں افراد کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہوتی ہیں اور افراد کی موت کے بعد امانتوں کی تقسیم خالق کائنات کے عطا کیے ہوئے نظامِ وراثت کے مطابق ہی عادلانہ اور منصفانہ طور پر ہوسکتی ہے۔ جس سے دولت کے ظالمانہ ارتکاز کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اسلام ارتکازِ زر کا خاتمہ کرتا ہے اور اس کی قرآن وحدیث میں شدت کے ساتھ مذمت بیان کی گئی ہے۔ تقسیم وراثت سے ارتکازِ زر کا خاتمہ ہوتا ہے۔ جمع شدہ دولت قریبی رشتہ داروں میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم ہوتی ہے۔ اس طرح تقسیم در تقسیم کے عمل سے زر کا معاشرے میں پھیلاؤ بڑھ جاتا ہے اور معیشت ارتکازِ زر کے برے اثرات سے بچ جاتی ہے۔

(۳) مختلف رشتہ داروں میں تقسیم کی حکمت

اسلامی تعلیمات میں عیش وعشرت کی زندگی کو انسان کے لیے مہلک قرار دیا گیا ہے۔ اگر مال وراثت ایک ہاتھ میں رہ جائے تو لوگ کثرتِ مال کی وجہ سے فضول خرچی اور عیش وعشرت میں لگ جائیں گے، نیز غفلت اور کاہلی کا شکار ہوجائیں گے۔ اس لیے

اسلام نے تقسیمِ وراثت کے ذریعے دولت کو ایک ہاتھ کی بجائے مختلف ہاتھوں میں دیا ہے۔

(۴) ورثاء کی معاشی حالت کی بہتری

اسلام نے وراثت کے ذریعے ترکہ میں حقوق متعین کرکے ورثاء کی معاشی حالت کو بھی بہتر کردیا ہے۔ اگر حقوق متعین نہ ہوتے اور مالک کو مطلق وصیت کا حق دیا جاتا تو معاشرتی طور پر خاندان میں بدنظمی پیدا ہوتی اور مالک اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے جسے چاہتا محروم کرسکتا تھا۔ اس طرزِ عمل سے جھگڑے پیدا ہوتے، امن و سکون درہم برہم ہوتا۔ خاندانی زندگی کو اندیشوں، بے اطمینانی، عدم تحفظ اور تنازعات سے پاک کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ترکے میں ورثاء کا مقام معلوم و متعین ہو جس کے ساتھ ہر وارث بہتر زندگی گزار سکے۔

(۵) ناانصافی کا خاتمہ

اسلام سے قبل ترکہ کی تقسیم میں ناانصافی سے کام لیا جاتا تھا۔ اسلام نے ترکہ کی عادلانہ تقسیم کے ذریعے تمام وارثوں کو ان کا حق دلایا تاکہ معاشرہ سالمیت واستحکام سے ہمکنار رہے۔ اسلامی نظامِ معیشت کو تقویت ملے اور ناانصافی کی بنا پر معاشرے میں جنم لینے والی برائیوں کا سدباب ہوسکے۔

(۶) غیر وارث رشتہ داروں کی غربت کا خاتمہ

اسلامی قانونِ وراثت غیر وارث رشتہ داروں کی غربت کے خاتمے کا سبب بھی بنتا ہے اس قانون سے غریب ونادار ورثاء کو میت کے ترکہ سے حصہ ملتا ہے جو ان کی خوشحالی کا سبب بنتا ہے۔ قرآن مجید نے جہاں ورثاء کے حصے متعین کیے ہیں وہاں غیر وارث رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں کو بھی مالِ وراثت میں سے کچھ دینے کا حکم فرمایا ہے:

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (النساء، ۴: ۸)

”اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو۔“

اس امر کی وضاحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی قول سے ہوتی ہے:

امر المومنين عند قسمة مواريثهم ان يصلوا ارحامهم ويتامهم ومساكينهم من الوصية فان لم تكن وصية وصل لهم من الميراث۔ (تفسیر قرطبی، ج: ۵، ص: ۴۹)

”اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ جب مالِ وراثت تقسیم ہونے لگے تو رشتہ داروں کے ساتھ یتامیٰ و مساکین کو بھی وصیت میں شامل کریں اور اگر ان کے حق میں وصیت نہ کی گئی ہو تو پھر انہیں وراثت میں شریک کیا جائے۔“

اسلام دینِ فطرت ہے اور اسلامی معیشت میں غربت و افلاس کے خاتمے کے لیے بہت سے طریقے رائج ہیں۔ اسلام نے غریب رشتہ داروں اور ناداروں کی معاشی کفالت کرنے کے لیے نظامِ وراثت وضع کیا جس کے ذریعے غریب طبقہ کی کفالت کی ضمانت دی گئی ہے۔

(۷) جاگیرداری کا خاتمہ

تقسیم وراثت سے بڑی جاگیریں چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہیں، جو معیشت کی بہتری کی طرف ایک مثبت قدم ہے کیونکہ جاگیرداری نظامِ معیشت کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۸) اصلاحاتِ اراضی کا طریقہ

ماضی کی طرح آج بھی لوگ ناگہانی حالات کی وجہ سے اپنی دولت کو کسی کاروبار میں لگانے کی بجائے زمینوں کی صورت میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔ قانونِ وراثت سے اس کا سدباب ہوتا ہے۔ اس تقسیم سے اراضی کی تقسیم کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ اراضی چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ مالکان زیادہ محنت ولگن سے پیداواری عمل میں حصہ لیتے ہیں۔ اس طرح اراضی کی اصلاح سے پیداوار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

(۹) جائیداد کی حفاظت

اس قانون سے جائیداد کی وارثین میں منتقلی سے جائیداد کی مناسب انداز سے حفاظت ہوتی ہے کیونکہ مرنے والے کی

جائیداد ٹکڑوں میں ورثاء تک منتقل ہوتی ہے جو آسانی سے اس کی نگہداشت اور حفاظت کر سکتے ہیں۔

(۱۰) مثالی معاشرہ کی تشکیل

باہمی الفت و محبت کسی بھی معاشرہ کی سماجی و معاشرتی زندگی میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ اگر کسی معاشرہ میں باہمی الفت و محبت کا عنصر غائب ہو تو وہ معاشرہ معاشرہ نہیں رہتا۔ قانونِ وراثت سے متوفی کی جائیداد (منقولہ و غیر منقولہ) ورثاء تک پہنچتی ہے جس سے ورثاء کو ایک طرف معاشی طور پر استحکام حاصل ہوتا ہے تو دوسری طرف باہمی الفت و محبت اور اخوت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ جس سے معاشرہ سکون و طمانیت سے معمور ہو جاتا ہے۔

(۱۱) سماجی برائیوں کا خاتمہ

سماجی و معاشرتی برائیاں (چوری، ڈاکہ، لوٹ مار، غصب) یہ سب معاشی ناہمواریوں کے سبب جنم لیتی ہیں۔ تقسیم وراثت کے ذریعے معاشی ناہمواریوں کے خاتمے سے برائیاں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح قانونِ وراثت کسی حد تک معاشی ناہمواریوں کے خاتمہ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسی طرح لڑائی جھگڑے بھی عموماً معاشی اور معاشرتی ناہمواریوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ قانون وراثت جھگڑوں کی روک تھام میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

(۱۲) ادائیگی حقوق و فرائض

معاشرے ادائیگی حقوق و فرائض کی اساس پر قائم ہوتے ہیں۔ جن معاشروں میں حقوق و فرائض کا خیال نہیں رکھا جاتا، وہ معاشرے اپنی موت آپ مر جاتے ہیں اور ان کا وجود اس کائنات کے نقشہ سے معدوم ہو جاتا ہے۔ قانونِ وراثت ادائیگی حقوق و فرائض کا درس دیتا ہے کہ صاحب جائیداد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کی پرورش میں معاون بنے اور یہ رشتہ داروں کا حق ہے۔

(۱۳) عورت کا تحفظ

عورت معاشرے کی بنیادی اکائی ہے مگر مطالعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی ہر سطح پر تذلیل کی جاتی رہی ہے اور اسے ہر حق سے محروم رکھا جاتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بعض مذاہب میں اسے برائی کی جڑ کہا گیا ہے۔ لیکن اسلامی قانون وراثت میں عورتوں کو بھی حصہ ملنے سے ان کا تحفظ ہوا ہے اور معاشرے میں ان کا مقام بلند ہوا ہے۔

(۱۴) بہبود عامہ

تقسیم وراثت بہبود عامہ کا بھی ذریعہ ہے۔ جس متوفی شخص کا کوئی وارث نہیں ہوتا، اس کا سارا مال حکومتی خزانہ میں چلا جاتا ہے جو اسے لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتی ہے۔ ایسے ہی متوفی بھی وصیت کی صورت میں غریب، نادار، مساکین اور یتیموں کی پرورش اور کفالت کا سبب بن سکتا ہے۔

خلاصہ کلام

اسلام نظامِ وراثت سے پہلے عرب کے معاشرے میں جو نظامِ وراثت رائج تھا وہ ظلم و ناانصافی پر مبنی تھا، معاشرے کے کمزور افراد اور عورتوں کے ساتھ زیادتی ہوتی تھی اور انہیں محرومیت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اسلام نے آکر ایک ایسا نظام وضع کیا جس میں ابتدائی طور پر کچھ عرصہ کے لیے کچھ طریقے زمانہ جاہلیت کے بھی برقرار رکھے گئے کیونکہ تدریجاً ایک نیا نظام متعارف کروانا مقصود تھا اور وہ لوگ اپنی روایات سے زیادہ جڑے ہوئے تھے، اس لیے خلف اور نسب کی میراث کو برقرار رکھا اور ان کے ساتھ دو اسباب میراث بھی جاری کئے گئے جو ہجرت اور مواخاتِ مدینہ ہے۔ اسلام کے احکامات تدریجاً اور ضرورت کے تحت نازل ہوئے کیونکہ عرب صدیوں سے جس قانون پر عمل پیرا تھے، اچانک اس سے دور ہو جانا محال تھا لیکن اسلام نے اپنے ابدی نظام کے ذریعے انہیں اس نظام کی طرف متوجہ کیا اور لوگ اس فرسودہ اور ظالمانہ نظام سے انصاف پسند نظام کی طرف آئے۔ لوگوں نے جاہلی اور فرسودہ قوانین سے بیزاری کا اظہار کرنا شروع کر دیا تو دین اسلام نے کچھ عرصہ کے بعد قدیم جاہلی نظامِ میراث کو ختم کر دیا اور نیا عادلانہ نظام متعارف کرایا جس کے ذریعے تمام رشتہ داروں کے حصے مقرر کر دیئے۔ یہ تمام حصے عقل کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

سانحہ ماڈل ٹاؤن کے 9 برس

انسداد دہشتگردی عدالت لاہور کے فیصلے کو لاہور ہائیکورٹ میں چیلنج کررہے ہیں

نعیم الدین چوہدری ایڈووکیٹ ہائیکورٹ (ترجمان سانحہ ماڈل ٹاؤن لیگل ٹیم)

سانحہ ماڈل ٹاؤن پاکستان کی تاریخ کا ایک بھیانک سانحہ ہے، جس میں طے شدہ منصوبہ کے تحت نواز، شہباز حکومت نے 17 جون 2014ء کو منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی رہائش گاہ پر ایسی ریاستی دہشت گردی کروائی کہ جس کی پاکستان کی سیاسی و سماجی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن اچانک یا حادثاتی طور پر برپا نہیں ہوا تھا بلکہ نواز، شہباز حکومت کی ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ بیریئرز کو ہٹانا تو ایک بہانہ تھا، اصل مقصد حکومت کے ماورائے آئین و قانون طرز حکمرانی کے خلاف شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تحریک اور جدوجہد کو روکنا تھا۔

اس سانحہ میں 14 معصوم، نہتے اور بے گناہ لوگوں کو شہید اور 100 سے زائد افراد کو شدید زخمی کیا گیا۔ اس دہشت گردی کے مناظر پوری دنیا نے میڈیا چینلز کے ذریعے براہ راست دیکھے۔ یہ پوری قوم کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس میں تمام شواہد ریکارڈ پر موجود ہونے کے باوجود اور سانحہ کو 9 سال سے زائد کا عرصہ بیت جانے کے باوجود بھی انصاف کے ادارے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے متاثرین کو انصاف نہ دلوا سکے اور وہ اشرافیہ جس نے ریاستی دہشت گردی کروائی تھی، آج دوبارہ اقتدار پر براجمان ہے۔ اس سانحہ کا پسِ منظر اور اب تک کی قانونی جدوجہد کا اجمالی جائزہ نذرِ قارئین ہے:

پسِ منظر

2010ء میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے پاکستان اور دنیا کے دیگر علاقوں میں ہونے والی دہشت گردی کے خلاف ایک عالمی اہمیت کا فتویٰ جاری کیا جو کہ 600 صفحات پر مشتمل ہے اور دہشت گردی اور فتنہ خوارج کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس فتویٰ کو پوری دنیا میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ پاکستان اور دنیا بھر میں دہشت گرد مشتعل ہو کر بوکھلا اُٹھے اور شیخ الاسلام کے جانی دشمن بن گئے۔ پاکستان اور دنیا بھر کے دہشت گروں نے شیخ الاسلام کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں جس پر پاکستان کی مختلف ایجنسیوں نے شیخ الاسلام کو ان دہشت گردوں کے مذموم عزائم کے بارے میں تحریری طور پر آگاہ بھی کیا۔

چنانچہ عدالت عالیہ لاہور کے حکم سے پولیس نے خود اس وقت کے SP ماڈل ٹاؤن ایاز سلیم کی موجودگی و نگرانی میں بیریئرز لگوائے اور رٹ پٹیشن 22367/2010 کی سماعت کے دوران عدالت عالیہ کے حکم سے مورخہ 20/01/2011 کو ایاز سلیم سابق SP ماڈل ٹاؤن لاہور عدالت عالیہ میں حاضر ہوئے اور اپنا بیان قلمبند کروایا جس میں عدالت عالیہ کو تحریری یقین دہانی کروائی کہ انہوں نے ادارہ منہاج القرآن اور گردونواح کے مکینوں کی سیکیورٹی کے لئے 16 پولیس اہلکاران کو 24 گھنٹے متعین کر دیا ہے اور متعلقہ سڑکوں پر جرسی بیریئرز (Jersey Barriers) رکھوا دیے ہیں۔

2010ء سے 2014ء یعنی چار سال تک یہ بیریئرز لگے رہے۔ اس دوران میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ملک

میں بڑھتی ہوئی مہنگائی، بے روزگاری، کرپشن، عوام کے حقوق کی بازیابی اور قانون وآئین کی بالادستی کے لیے پاکستان آکر حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کیا تو حکومت بوکھلاُ اٹھی اور اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آئی اور اس تحریک کو کچلنے کی منصوبہ بندی شروع کردی۔

چنانچہ اس منصوبہ بندی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مورخہ 16جون 2014ء کو رانا ثناءاللہ وزیر قانون کی زیر صدارت اجلاس ہوا۔ فیصلہ کیا گیا کہ ادارہ منہاج القرآن اور شیخ الاسلام کی رہائش گاہ کے ارد گرد لگے بیریئرز کو ہٹانے کے بہانے دھاوا بولا جائے گا اور جو بھی شخص اس میں رکاوٹ بنے گا، اُسے ختم کردیا جائے۔

17جون 2014ء

اس بھیانک کھیل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے 17 جون 2014ء کو رات گئے گورنمنٹ نے طے شدہ منصوبہ کے تحت منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کے معصوم نہتے اور بے گناہ کارکنان کے خون سے ہولی کھیلی۔ اس دہشت گردی کے مناظر موقع پر موجود لوگوں کے علاوہ پوری دنیا نے میڈیا چینلز پر براہ راست دیکھے جس میں 14افراد شہید ہوئے جن میں 2خواتین بھی شامل تھیں اور 100سے زائد افراد کو سیدھی گولیاں ماری گئیں اور ظلم وریاستی دہشت گردی کی ایک نئی تاریخ رقم کی گئی۔

سانحہ کی انکوائری کے لیے قائم جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ

وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے اُسی دن پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ میں سانحہ ماڈل ٹاؤن کی انکوائری کے لیے جوڈیشل کمیشن بنا رہا ہوں، میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک یہ کمیشن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نہ کردے، میں چین سے نہیں بیٹھوں گا اور اس المناک واقعہ کی تحقیقات کی شکل میں جو بھی ذمہ دار ٹھہرائے گئے، ان کو قانون کے مطابق کڑی ترین سزا دی جائے گی۔ عدالتی کمیشن اس لئے بنایا گیا ہے کہ اگر مجھے اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے تو ایک سیکنڈ سے پہلے میں عوام کی عدالت میں حاضر ہوں گا اور جو بھی اس تحقیقاتی رپورٹ میں مجھے تجویز کیا گیا، میں اس کو من وعن قبول کرونگا۔

وزیر اعلیٰ نے ایک خط کے ذریعہ چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ کو کمیشن قائم کرنے کی درخواست کی جس پر چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ نے مسٹر جسٹس علی باقر نجفی جج لاہور ہائی کورٹ پر مشتمل یک رکنی انکوائری ٹربیونل قائم کیا۔ جسٹس علی باقر نجفی نے تحقیقات کے دوران انکوائری ٹربیونل آرڈیننس 1969 کے سیکشن 11 کے تحت گورنمنٹ آف پنجاب سے بذریعہ لیٹر 9/TOI مورخہ 20-06-2014ء کو Additional Power مانگی لیکن گورنمنٹ آف پنجاب نے بذریعہ لیٹر نمبری Jud 11-III 9-53/2014 مورخہ 27-06-2014 یک رکنی انکوائری ٹربیونل کو ایڈیشنل اختیارات دینے سے انکار کردیا۔ جسٹس علی باقر نجفی کمیشن نے اپنی تحقیقات مکمل کرکے تحقیقاتی رپورٹ حکومت کو ارسال کی۔ جس میں حکومت پنجاب اور پنجاب پولیس کو اس قتل وغارت گری کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔

پہلی JIT کا قیام اور اس کی جانبداریت

حکومت نے ایک طرف سانحہ ماڈل ٹاؤن کے متاثرین کی FIR درج کرنے سے انکار کردیا تو دوسری طرف اعترافِ گناہ اور مظلوموں کی اشک شوئی کے اقدامات کرنے کے بجائے پولیس کی مدعیت میں جھوٹی FIR No.510/14 درج کرکے زخمی کارکنان اور مقتولین کے لواحقین کو گرفتار کرکے دنیا کی تاریخ میں ظلم وناانصافی کی نئی مثال قائم کردی۔ حکومت کی اس بدنیتی اور ظالمانہ اقدامات پر اگست 2014ء میں اسلام آباد تک لانگ مارچ کیا گیا اور پھر اکتوبر 2014ء تک 72 دن کا ایک طویل دھرنا دیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں بالآخر پاکستان عوامی تحریک ملزمان کے خلاف اپنی FIR کٹوانے میں کامیاب ہوئی۔

بعد ازاں اس سانحہ پر مقدمہ نمبر 510/14 میں JIT تشکیل پائی جس میں دو ایجنسیوں (MI,ISI) کی نمائندگی بھی شامل تھی۔ جس میں دونوں ایجنسیوں (MI,ISI) نے کہا کہ اس FIR کو ختم ہونا چاہیے۔ لیکن اس کے باوجود اس مقدمہ کا چالان انسداد دہشت گردی کورٹ لاہور میں پیش کیا گیا اور جنوری 2015ء سے اب تک PAT کے بے گناہ افراد اس مقدمہ میں پیش ہورہے ہیں، جس میں 500 سے

زائد تاریخیں ہو چکی ہیں۔ MI,ISI کے اس اختلافی نوٹ کی موجودگی میں مقدمہ نمبر510/14 کا چالان انسداد دہشت گردی عدالت میں پیش نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے باوجود انسداد دہشت گردی عدالت لاہور میں چالان پیش کیا گیا۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن کا مقدمہ چونکہ بڑا حساس ہے۔ اس میں نواز، شہباز حکومت ملوث ہے۔ پہلی والی JIT کے تمام پولیس افسران حکومت کے زیر اثر تھے جس کی وجہ سے سانحہ ماڈل ٹاؤن کی شفاف تفتیش نہ ہونے دی گئی۔ اس JIT کی جانبداریت درج ذیل حقائق سے واضح ہو جاتی ہے:

۱۔ اس سانحہ میں کسی بھی زخمی، چشم دید گواہان اور شہداء کے لواحقین کے بیانات بھی قلمبند نہیں کیے گئے۔

۲۔ پولیس نے مقدمہ نمبر510/14(پولیس مدعی) میں JIT کے مطابق پولیس نے ریکارڈ میں تبدیلی اور اسلحہ کی درست تفصیلات نہ دی تھیں۔ اس JIT میں دو ممبران جن کا تعلق MI اور ISI کے ساتھ تھا، ان کے علاوہ تمام ممبران پولیس افسران تھے۔ JIT نے اس بات کو تسلیم کیا کہ جب پولیس سے آرمز اینڈ ایمونیشن کی تفصیلات مانگی گئی کہ کتنا اسلحہ ایشو کیا گیا۔۔۔؟ کتنا استعمال کیا گیا۔۔۔؟ اور کتنا واپس جمع کروایا گیا۔۔۔؟ تو پولیس نے فہرستیں دینے سے انکار کر دیا۔ جبکہ مذکورہ بالا دو ممبران(MI,ISI) نے یہاں تک کہہ دیا کہ مقدمہ نمبر 510/14 جوہے قابل منسوخی ہے۔

۳۔ عبدالروف SI انچارج ایلیٹ فورس کو JIT نے دوران تفتیش متعدد بار طلب کیا۔ دوران تفتیش اس نے تسلیم کیا کہ ایلیٹ فورس کی جانب SMG469 کے اور 59 راونڈ G3 رائفل کے فائر کیے گئے۔ بعد میں اگلی پیشی پر اس نے بتایا کہ ایس پی عبدالرحیم شیرازی نے اسے کہا تھا کہ ریکارڈ تبدیل کر دیا جائے۔

۴۔ JIT کی جانب سے CCPO لاہور کو لیٹر نمبری 449/PSSB مورخہ 30/06/14 کو بھیجا گیا جس میں تمام افسران اور جوانوں کی پوسٹنگ اور ٹیلی فون نمبرز، ایشو کردہ ہتھیار اور ان کے سیریل نمبرز اور استعمال ہونے والے ایمونیشن کی تفصیل مطابق روزنامچہ ہائے، ٹیر گیس گنز اور ان کا مصرف اور آپریشن کے دوران کتنے ٹیر گیس شیل استعمال ہوئے، دیگر سامان کوئی بھی جو اس آپریشن کے دوران کم یا ناکارہ ہوا کی تفصیل JIT کو بہم پہنچائی جائے جس کی مکمل تفصیل آج تک نہ پہنچائی گئی ہے۔

۵۔ JIT نے ملزمان سے مل کر ملی بھگت کے ساتھ غیر منصفانہ اور بے بنیاد رپورٹ تیار کروائی تھیں تاکہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے اصل ملزمان سابق وزیر اعظم نواز شریف، موجودہ وزیر اعظم میاں شہباز شریف، موجودہ وفاقی وزیر داخلہ رانا ثناء اللہ دیگر وزراء پولیس افسران جو بطور ملزمان ایف آئی آر میں نامزد تھے، بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے JIT نے ان نامزد ملزمان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی بلکہ ان تمام ملزمان کو مقدمہ سے نکال دیا گیا اور پاکستان عوامی تحریک کے 42 کارکنان جن کو مورخہ 17 جون 2014ء کو ہی مقدمہ 510/14(پولیس مدعی) میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ان PAT کارکنان کو اپنے ہی مقدمہ نمبر 696/14 میں ملزم قرار دے کر انسداد دہشت گردی عدالت میں چالان پیش کر دیا گیا۔ بعد ازاں ان 42 کارکنان کی اپنے ہی مقدمہ نمبر 696/14 میں ضمانتیں کروائی گئیں۔

۶۔ پاکستان عوامی تحریک کے کارکنان کا ناحق چالان کرنے پر JIT کی مکمل بددیانتی سامنے آگئی تو استغاثہ دائر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، لہٰذا فوری طور پر انسداد دہشت گردی عدالت لاہور میں استغاثہ دائر کر دیا گیا۔ استغاثہ کیس میں 56 زخمی و چشم دید گواہان کے بیانات مکمل ہونے کے بعد مورخہ 7 فروری 2017 کو انسداد دہشت گردی عدالت لاہور نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس میں 124 ملزمان، کانسٹیبل سے لیکر آئی جی پنجاب تک، DCO، کیپٹن (ر) عثمان، TMO نشتر ٹاؤن علی عباس بخاری، AC ماڈل ٹاؤن، طارق منظور چانڈیو، کو بطور ملزمان طلب کر لیا تھا، لیکن 12 ملزمان میاں نواز شریف، میاں شہباز شریف، رانا ثناء اللہ، ڈاکٹر توقیر شاہ و دیگران جنہوں نے اس سانحہ کی منصوبہ بندی کی تھی، ان کو طلب نہ کیا تھا تو ان 12 ملزمان کی حد تک لاہور ہائی کورٹ میں Criminal Revision دائر کی تھی جو خارج ہو گئیں

تھیں، اس حکم کے خلاف سپریم کورٹ میں Crl.P.L.A دائر کی ہوئی ہے جو کہ سپریم کورٹ میں زیرِ سماعت ہے۔

۷۔ باقر نجفی کمیشن رپورٹ میں سانحہ ماڈل ٹاؤن میں قتل وغارت گری کرنے کا ذمہ دار 2014ء کی پنجاب حکومت اور پنجاب پولیس کو ٹھہرایا ہوا ہے لیکن باقر نجفی کمیشن رپورٹ کے ساتھ منسلکہ دستاویزات جس میں ملزمان کے بیان حلفی، ٹیلی فون ڈیٹا ریکارڈ، حساس اداروں کی رپورٹس و دیگر دستاویزات شامل ہیں، وہ تمام دستاویزات افسوس صد افسوس کہ سانحہ کے متاثرین کو آج تک فراہم نہ کی گئیں ہیں۔ ان تمام منسلکہ دستاویزات کے حصول کے لئے 2018ء سے لاہور ہائی کورٹ میں رٹ دائر ہوئی ہے جو کہ ابھی تک زیرِ سماعت ہے جس کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔

دوسری JIT کا قیام

اِن تمام حقائق کے پیشِ نظر نئی JIT تشکیل دینے کی قانونی ضرورت پیدا ہوئی۔ ٹرائل کورٹ از خود فوجداری مقدمہ کی سماعت کے دوران شفاف ٹرائل کے لئے بقیہ شہادت برآمدگی، فرانزک اور ڈیجیٹل وغیرہ کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتی ہے بلکہ صرف اور صرف JIT ہی شفاف ٹرائل کے لئے ان تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔ اس لئے نئی JIT کی تشکیل شفاف تفتیش کے لیے ضروری تھی۔

اس سانحہ کے منصوبہ سازوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے اور اصل حقائق کو منظر عام پر لانے کے لیے اور اصل ملزمان تک پہنچنے کے لیے سانحہ ماڈل ٹاؤن کی از سر نو انویسٹی گیشن ضروری تھی کیونکہ اس پہلی JIT نے جو انویسٹی گیشن کی تھی وہ حقائق کے برعکس، جانبدار اور یکطرفہ کی تھی تاکہ اصل حقائق سامنے نہ آسکیں اور اصل ملزمان کو بچایا جا سکے۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن کی غیر جانبدار تفتیش کیلئے اس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان میاں ثاقب نثار کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے لارجر بنچ نے مورخہ 5 دسمبر 2018ء کو سپریم کورٹ اسلام آباد میں سماعت کی اور سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس کی از سر نو تفتیش کیلئے نئی JIT بنانے کا فیصلہ ہوا اور مورخہ 3 جنوری 2019ء کو پنجاب حکومت نے اے ڈی خواجہ کی سربراہی میں JIT نوٹیفکیشن جاری کر دیا۔

سپریم کورٹ کے فلور پر سانحہ ماڈل ٹاؤن کی تفتیش کے لئے تشکیل پانے والی نئی JIT نے مورخہ 14 جنوری 2019ء سے لے کر 20 مارچ 2019ء تک سانحہ ماڈل ٹاؤن کے تمام زخمی افراد، چشم دید گواہان اور شہداء کے لواحقین سے بیانات قلمبند کر لیے تھے۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے متاثرین کی طرف سے بھی نئی JIT کے روبرو پہلی دفعہ تمام زبانی و دستاویزی ثبوت شہادتوں کی شکل میں پیش کر دیے گئے ہیں۔ اسی طرح نئی JIT نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے تمام ملزمان بشمول سابق وزیراعظم میاں نواز شریف، موجودہ وزیراعظم میاں شہباز شریف اور موجودہ وفاقی وزیر داخلہ رانا ثناءاللہ، ڈاکٹر توقیر شاہ PSO ٹو سابق وزیراعلیٰ پنجاب، سابق آئی جی مشتاق سکھیرا سے مختلف پہلوؤں پر تفتیش مکمل کر لی تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ وقوعہ کیوں ہوا ہے۔۔۔؟ اس کے پیچھے کیا سازش کارفرما تھی۔۔۔؟ اس وقوعہ کے پیچھے کون کون سے سازشی عناصر موجود ہیں۔۔۔؟ اور یہ سازش کہاں سے چلی۔۔۔؟ اور کس طرح اس سازش پر عملدرآمد ہوا۔۔۔؟

نئی JIT کو کام سے روک دیا گیا

JIT کی اس تفتیش کے نتائج کو دیکھتے ہوئے فوری طور پر کچھ قوتیں متحرک ہو گئیں اور انہوں نے 22 اپریل 2019ء کو لاہور ہائی کورٹ کے ذریعہ JIT کی تشکیل کے نوٹیفکیشن کو معطل کروا لیا اور نئی JIT کو سانحہ ماڈل ٹاؤن کی مزید تفتیش سے روک دیا گیا تاکہ JIT ان تمام ملزمان سابق وزیراعظم نواز شریف، موجودہ وزیراعظم شہباز شریف، موجودہ وزیر داخلہ رانا ثناءاللہ، سابق PSO ٹو وزیراعلیٰ پنجاب ڈاکٹر توقیر شاہ و دیگران جنہوں نے اس سانحہ کی منصوبہ بندی کی تھی، ان کو گنہگار ٹھہرا کر انسداد دہشت گردی عدالت میں چالان پیش نہ کر دے اور ان منصوبہ ساز ملزمان اور سانحہ ماڈل ٹاؤن میں ملوث افراد کے ٹرائل کا آغاز نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ ایڈووکیٹ جنرل آفس کو بھی اس کیس کی فیکسیشن اور بنچ کی تشکیل کا علم نہ ہو سکا۔ جب ایڈووکیٹ جنرل پنجاب کو معلوم ہوا تو وہ فوری طور پر عدالت میں پہنچ گئے اور فل بنچ کے سامنے ساری صورتحال رکھی تو

ایڈووکیٹ جنرل پنجاب کو لاہور ہائی کورٹ نے توہین عدالت کا نوٹس جاری کر دیا۔

JIT سپریم کورٹ کے احکامات کے باوجود بحال نہ ہو سکی

ہم نے JIT کے نوٹیفکیشن کی معطلی کے خلاف فل بنچ کے فیصلہ کے عبوری حکم کے خلاف سپریم کورٹ اسلام آباد میں CPLAS دائر کی تھیں جس کی سماعت مورخہ 13 فروری 2022ء کو سابق چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس گلزار احمد خاں کی سربراہی میں تین رکنی بنچ نے کی جس میں سپریم کورٹ نے لاہور ہائی کورٹ میں نیا بینچ تشکیل دے کر اور ترجیحاً تین ماہ کے اندر فیصلہ کرنے کی ڈائریکشن دی تھی لیکن افسوس صد افسوس کہ سپریم کورٹ کی 3 ماہ کی ڈائریکشن کے باوجود بھی لاہور ہائی کورٹ کا لارجر بینچ چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ کی سربراہی میں سانحہ ماڈل ٹاؤن میں بننے والی ایک غیر جانبدار JIT کا فیصلہ نہ کر سکا۔

☆ JIT کی تشکیل کے خلاف حکومت کی طرف لاہور ہائی کورٹ میں جورٹ دائر ہوئی تھیں جس کی وجہ سے JIT کا نوٹیفکیشن معطل ہے، وہ کیسز 4 سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی لاہور ہائی کورٹ کے لارجر بینچ کے پاس زیر سماعت ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ میں JIT کیس میں اس وقت تک 56 تاریخ پیشیاں ہو چکی ہیں جبکہ لاہور ہائی کورٹ کا بینچ 5 دفعہ تحلیل ہو چکا ہے۔ دسمبر 2022ء میں دونوں سائیڈ سے Complete Arguments ہو گئے تھے لیکن Complete Arguments کے باوجود اس JIT کیس کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ بعد ازاں جسٹس سردار احمد نعیم لاہور ہائی کورٹ سے ریٹائرڈ ہو گئے۔ جسکی وجہ سے نیا بینچ تشکیل دیا گیا اور جسٹس مرزا وقاص روف کو اس بینچ میں شامل کیا گیا۔ نئے جج کے آنے کی وجہ سے دوبارہ اس کیس میں آغاز سے بحث ہوئی۔ اب دوبارہ اس کیس میں دونوں سائیڈ سے بحث مکمل ہو چکی ہے لیکن فیصلہ کے لئے کوئی تاریخ پیشی مقرر نہ ہے۔ جن کا فیصلہ ہونا بھی باقی ہے۔

☆ یہ امر ذہن میں رہے کہ جب تک کسی مقدمہ کا فیصلہ نہ ہو جائے اس وقت تک دوبارہ تفتیش ہو سکتی ہے اگر عدالت میں مقدمہ کا چالان اور فرد جرم بھی عائد ہو جائے تو بھی دوبارہ تفتیش سے روکا نہیں جا سکتا ہے۔ کوئی بھی قانون دوبارہ تفتیش سے نہیں روکتا۔ شفاف ٹرائل کے لئے شفاف تفتیش کا ہونا ضروری ہے۔ سیکشن 19 انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997ء کے تحت ایک سے زائد JIT بنانے میں کوئی قانونی قدغن موجود نہیں ہے بلکہ گورنمنٹ کے پاس اختیار ہے کہ مقدمہ اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے شفاف تفتیش کے لئے دوسری، تیسری، چوتھی JIT بھی بنائی جا سکتی ہے۔ کراچی 12 مئی واقعہ مقدمہ میں بھی ایک لمبا عرصہ گزرنے کے باوجود سندھ ہائی کورٹ نے نئی JIT بنانے کا از خود حکم دیا کیونکہ اس وقت کے حالات ایسے تھے کہ اس وقت شفاف تفتیش نہ ہو سکی تھی۔ اس واقعہ میں اس وقت کے بااثر افراد کے ملوث ہونے کی اطلاعات تھیں، اس وجہ سے شفاف تفتیش نہیں ہوئی تھی۔

☆ JIT کی بحالی سانحہ ماڈل ٹاؤن کے انصاف کے لئے اشد ضروری ہے۔ کیونکہ اصل ملزمان نواز شریف، شہباز شریف، رانا ثناء اللہ، ڈاکٹر توقیر شاہ اور دیگر ملزمان جنہوں نے اس سانحہ کی منصوبہ بندی کی تھی ان کو استغاثہ کیس میں ناکافی شہادت کی بنیاد پر انسداد دہشت گردی عدالت اور لاہور ہائی کورٹ نے بحیثیت ملزم طلب نہیں کیا تھا۔ کیونکہ استغاثہ کی دائرگی کے وقت جو شہادتیں اس وقت دستیاب تھیں، وہ استغاثہ کیس میں دے دی گئیں تھیں لیکن کچھ ایسی شہادتیں جن میں ان کا براہ راست ملوث ہونا پایا جاتا ہے، وہ تمام کی تمام شہادتیں نواز، شہباز حکومت جانے کے بعد اور جسٹس باقر نجفی کمیشن رپورٹ آنے کے بعد میسر آئی تھیں۔ وہ تمام کی تمام شہادتیں نئی JIT کو فراہم کر دی تھیں۔ اس سے پہلے جتنی بھی انوسٹی گیشن ہوئی تھی، وہ حقائق کے برعکس، جانبدار اور یکطرفہ ہوئی تھیں۔ پہلی والی JIT نے جتنی بھی انوسٹی گیشن کی تھی، وہ صرف اور صرف ملزمان کو بچانے اور اصل حقائق کو چھپانے کے لئے کی تھیں تاکہ اصل حقائق منظر عام پر نہ آ سکیں۔

مرکزی ملزمان کی بریت کے مذموم اقدامات

☆ آئی جی مشتاق احمد سکھیرا نے ہائی کورٹ میں اپنی طلبی کو چیلنج کیا تھا، لاہور ہائی کورٹ نے یہ درخواست خارج کر دی تھی۔ جس

کی وجہ سے آئی جی مشتاق احمد سکھیرا انسداد دہشت گردی عدالت لاہور میں بطور ملزم پیش ہوگیا اور تمام ملزمان پر مورخہ 15 اکتوبر 2018ء کو دوبارہ فرد جرم عائد ہوئی۔ جس کی وجہ سے استغاثہ کیس میں جتنا بھی ٹرائل ہوا تھا وہ DENOVO ہو گیا۔ ٹرائل DENOVO ہونے کے بعد مستغیث کا بیان انسداد دہشت گردی عدالت میں دوبارہ قلمبند ہوا ہے اور ملزمان کے وکلاء نے مستغیث پر دوبارہ جرح کرنی ہے لیکن جرح کرنے سے پہلے ملزمان کے وکیل نے سیکشن 23 انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997ء کے تحت درخواست گزاری ہے کہ ان مقدمات میں 7ATA کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے ان مقدمات میں 7ATA کو ختم کرکے ان کیسز کو سیشن کورٹ میں ٹرائل کے لئے بھیج دیا جائے۔

☆ گزشتہ سال سابق DCO کیپٹن (ر) عثمان کے وکیل نے انسداد دہشت گردی عدالت میں ضابطہ فوجداری کی دفعہ 265/K کے تحت کیپٹن (ر) عثمان کی بریت کے لئے درخواست گزاری کہ کیپٹن (ر) عثمان، کے خلاف مقدمہ نہیں بنتا ہے، اس لئے اس کو اس مقدمہ سے بری کردیا جائے۔ انسداد دہشت گردی عدالت لاہور III نے کیپٹن (ر) عثمان کی اس بریت کی درخواست کو مورخہ 22-4-8 کو منظور کرتے ہوئے سانحہ ماڈل ٹاؤن استغاثہ کیس میں بری کردیا تھا۔ جس وجہ سے کیپٹن (ر) عثمان کی بریت کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کردی ہے۔ جو کہ لاہور ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کے پاس زیر سماعت ہے۔

☆ اب مورخہ 23-05-10 کو انسداد دہشت گردی عدالت نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے مرکزی ملزمان سابق آئی جی پنجاب مشتاق احمد سکھیرا، سابق ڈی آئی جی آپریشن رانا عبدالجبار، سابق ایس پی ماڈل ٹاؤن طارق عزیز، سابق TMO نشتر ٹاؤن لاہور علی عباس بخاری کو بھی استغاثہ کیس میں 265-K کے تحت بری کردیا ہے۔ اب ان ملزمان کی بریت کے خلاف بھی لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کردی ہے۔

☆ اِن پولیس افسران کی بریت سے یہ امر متحقق ہوگیا ہے کہ انصاف کا نظام ظلم کا نظام بن چکا ہے۔ ماڈل ٹاؤن جے آئی ٹی کیس کے فیصلے سے انصاف ملنا ہے مگر افسوس جے آئی ٹی کا کیس 3 سال سے سٹے آرڈر پر ہے۔ 3 سال سے بنچ بن رہے ہیں اور ٹوٹ رہے ہیں مگر انصاف نہیں ہورہا۔ اب ایک منصوبہ بندی کے تحت ملزموں نے ٹرائل کورٹ میں بریت کی درخواستیں دینا شروع کر دی ہیں اور شہداء کے وکلاء کو ان درخواستوں پر بحث کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے کہ ہم مرکزی کیس کو نظر انداز کر کے ملزموں کی ان اپیلوں کو نمٹائے جانے کے عمل کا حصہ بنیں۔ اگر ملزمان ٹرائل کورٹ سے بریت کے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو پھر اگر جے آئی ٹی کو کام کرنے کی اجازت مل بھی گئی تو انصاف نہیں ہو سکے گا کیونکہ قانون کے مطابق ایک کیس میں کسی پر دو بار مقدمہ نہیں چل سکتا۔ لگتا ہے یہ محض اتفاق نہیں ہے بلکہ ایک پلاننگ کے ساتھ شہداء کے ورثاء کے ساتھ قانونی کھیل کھیلا جارہا ہے۔

اب تو ملزموں کے حق میں قانونی راستے ہموار ہوتے ہوئے صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ ہم پرامن لوگ ہیں۔ ہم بڑی امید کے ساتھ عدالتوں میں قانون کے مطابق انصاف کے لئے قانونی چارہ جوئی کررہے ہیں مگر انصاف کا خون ہورہا ہے۔ ہماری چیف جسٹس سپریم کورٹ سے استدعا ہے کہ وہ سپریم کورٹ کی ان ہدایات پر عملدرآمد کروائیں جن میں سانحہ ماڈل ٹاؤن سے متعلق جے آئی ٹی سمیت زیر التواء اپیلوں کو فوری نمٹائے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن کے حصولِ انصاف کی جدوجہد کو 9 سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود قائد تحریک منہاج القرآن شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ذاتی دلچسپی اور راہنمائی میں سانحہ کے متاثرین اور شہداء کے لواحقین انسداد دہشت گردی عدالت سے لے کر سپریم کورٹ تک مسلسل قانونی چارہ جوئی پوری طاقت، عزم، استقامت کے ساتھ کررہے ہیں۔ ان شاءاللہ تعالیٰ یہ جدوجہد اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک سانحہ ماڈل ٹاؤن کے متاثرین اور شہداء کے لواحقین کو انصاف نہیں مل جاتا اور اس سانحہ میں ملوث عناصر اپنے عبرت ناک انجام سے دوچار نہیں ہو جاتے۔ ❁❁❁❁❁

مقصدِ حیات اور حقیقتِ دُنیا

اللہ کی خوشنودی کے لئے لوگوں کی خوشی کو ترجیح دیں

کامیابی کے حصول کے لئے مقصد سے آگاہی ضروری ہے

عبدالستار منہاجین کی کتاب ”کامیاب زندگی“ سے ماخوذ

زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے سب سے پہلے زندگی کا مقصد جاننا بہت ضروری ہے۔ ہم میں سے ہر کوئی اپنی زندگی میں کامیابی کیلئے اپنا کوئی مقصد طے کرتا ہے اور پھر اُسے حاصل کرنے کیلئے کوشش کرتا ہے۔ کسی کا مقصد ڈھیر سارا پیسہ کمانا ہے اور کوئی کسی اعلیٰ عہدے پر پہنچنا چاہتا ہے، الغرض ہر ایک کے دل میں بہت سے خواب سمائے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو اس سیارے پر اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر اُتارا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی زندگی کا مقصد کیا طے کیا ہے! سب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کسی جرم کی سزا کے طور پر جنت سے نہیں نکالا تھا، بلکہ آدم و حوا کا زمین پر آنا اللہ تعالیٰ کے قدیم منصوبے کا ایک حصہ تھا، ورنہ اُنہیں اِتنے اِعزاز و اِکرام کے ساتھ اپنا خلیفہ ہونے کا ٹائٹل دے کر نہ بھیجا ہوتا اور اَشرف المخلوقات قرار نہ دیا ہوتا۔

اِنسانی تخلیق اور خلافتِ اَرضی کا بنیادی مقصد اِنسان کی آزمائش ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الملک کی آیت ۲ میں ارشاد فرمایا:

الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

”جس نے موت اور زندگی کو (اِس لئے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔“

جو اِنسان اِس آزمائش پر پورا اُترنے کی بجائے اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا کوئی نیا مقصد طے کر لیتے ہیں اور اللہ ربّ العزت کے طے کردہ مقصد کو مدِ نظر رکھنے کی بجائے زمین سے واپسی (یعنی موت اور آخرت) کو بھول جاتے ہیں اور اِسی دُنیاوی زندگی کو سب کچھ سمجھ کر ہمیشہ یہیں رہنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اُن کا انجام بربادی ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیئے کہ ہم اللہ ربّ العزت کی رضا اور خوشنودی کو اپنی زندگی کا پہلا مقصد بنائیں اور ہمیشہ ایسے لوگوں کی صحبت اور سنگت اختیار کریں جو اللہ کی رضا کے طالب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید (الکہف، ۱۸: ۲۸) میں ہمیں واضح الفاظ میں حکم فرمایا ہے کہ ہم اپنی زندگی کا مقصد پانے کے لیے نیک لوگوں کی صحبت و سنگت اِختیار کریں اور اِس زمینی دُنیا کی خوبصورتی میں کھو کر یہیں کے ہو کر رہ جانے والے لوگوں کے ساتھ دوستی نہ لگائیں۔

جب ہماری زندگی کا اصل مقصد اللہ ربّ العزت کی رضا اور خوشنودی ہے تو ہمیں چاہیئے کہ لوگوں کی خوشی پر ہمیشہ اللہ کی خوشی کو ترجیح دیں۔ البتہ دُوسروں کو کسی دُنیاوی مفاد کی بجائے اگر صرف اِس نیت سے خوش کریں کہ اِس نیک عمل سے اللہ اور اُس کا رسول ﷺ خوش ہوتے ہیں تو اِس نیت سے یہ بھی کارِ ثواب ہے۔ اپنے دل و دماغ میں اِس بات کو پختہ کر لیں کہ ہر وہ عمل جو دُوسروں کیلئے سہولت اور آسانی کا باعث بنے، وہ نیکی ہے اور ہر وہ عمل جس سے دُوسروں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے، وہ گناہ ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اِس زمینی دنیا میں کھو کر اپنی پیدائش کے

☆ ڈائریکٹر منہاج انٹرنیٹ بیورو

مقصد کو نہ بھولیں۔ جو اِنسان اپنی تخلیق کے مقصد، زمین سے واپسی اور آخرت کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور اِس دُنیاوی زندگی کو عارضی اور فانی سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ پر اِیمان لاتے ہیں اور اُس کے رسول ﷺ کے لائے ہوئے دین کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہی کامیاب ہیں اور وہی بالآخر اِس سیارۂ زمین سے واپس جنت میں جانے میں کامیاب ہوں گے۔

موت زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے اور موت ہی زندگی کی سب سے بڑی نعمت بھی ہے۔ اِنسانوں کو اِس زمین سے واپس جنت کی طرف لے کر جانے والا راستہ موت کے دروازے سے ہو کر گزرتا ہے۔ بہت سے سادہ لوح لوگ ایک طرف جنت کے طلبگار ہوتے ہیں جبکہ دُوسری طرف وہ موت سے خوف بھی کھاتے ہیں۔ چنانچہ موت سے ڈرنے کی بجائے ہمیں خود کو موت کیلئے تیار کرنا چاہیئے۔ اللہ ربّ العزت اور آخرت پر اِیمان رکھنے والا کوئی شخص موت سے نفرت نہیں کر سکتا۔ موت سے نفرت صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے اور صرف اِسی زمینی حیات کو ہی زندگی سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اِنسانوں کی ہدایت کیلئے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو اِنسانیت کی طرف پیغامبر بنا کر بھیجا، جو اِنسانوں کو سیارۂ زمین سے جنت کی طرف واپسی کی یاد دلانے اور واپسی کا لائحہ عمل دینے کیلئے آتے رہے ہیں۔ اِس سلسلہ کے آخری رسول ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں اور اُن پر اُترنے والی کتاب قرآنِ مجید اِنسانیت کیلئے آخری منشور اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اِنسانیت کی نجات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے آخری اور حتمی ضابطۂ حیات ”قرآنِ مجید“ کو زندگی کا منشور بنانے میں ہے۔

یہ مادّی دُنیا ایک فریبِ نظر ہے

یاد رکھیں! اِس مادی دُنیا کی رنگینیاں سراسر ایک دھوکہ ہیں، کیونکہ حقیقت میں یہ کرۂ ارض ایسا خوبصورت نہیں ہے جیسا ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ ہمارا نفس اِسے بہت خوشنما بنا کر دکھاتا ہے۔ اس حوالے سے قرآن ہماری رہنمائی یوں کرتا ہے:

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا۔ (الانعام، ۶: ۱۳۰)

”اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔“

بنی نوعِ انسان کے ازلی دُشمن اِبلیس (شیطان) کو جب جنت سے نکالا گیا تو اُس نے اللہ ربّ العزت کے سامنے پختہ عہد کیا تھا کہ وہ اِنسانوں کی نظر میں زمینی زندگی کو خوب آراستہ اور خوشنما بنا کر دکھائے گا تاکہ وہ جنت کی طرف واپسی کے سفر کو بھول جائیں او اِسی دُنیا کو حقیقی زندگی سمجھنے لگ جائیں۔ قرآن اس کے اس چیلنج کو یوں بیان کرتا ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ

”ابلیس نے کہا: اے پروردگار! اس سبب سے جو تو نے مجھے گمراہ کیا میں (بھی) یقیناً ان کے لئے زمین میں (گناہوں اور نافرمانیوں کو) خوب آراستہ و خوش نما بنا دوں گا اور ان سب کو ضرور گمراہ کر کے رہوں گا۔“ (الحجر، ۱۵: ۳۹)

نسلِ انسانی کی اکثریت شیطان اور اُس کے چیلوں کے مکر و فریب میں آکر اِس حقیقت کو بھول بیٹھی ہے کہ کرۂ ارض پر اِنسانی زندگی کی حیثیت عارضی کھیل تماشے سے زیادہ کچھ نہیں۔ آخرت کے گھر (جنت کی دائمی زندگی) کو بھول کر اگر اِنسان اِسی دنیا کے کھیل تماشوں جیسی عارضی زندگی میں مگن رہنا چاہے تو وہ سراسر خسارے میں ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے دلوں میں اُس کا خوف رکھتے ہیں وہ زمینی زندگی کو فانی سمجھ کر ہر لمحہ واپسی کے سفر کیلئے تیار رہتے ہیں، اصل وہی کامیاب ہیں۔

مولانا رومؒ کا ایک مشہور قول ہے:

”دُنیا کو دھوکے کا گھر اِس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں پر حقیقتیں اُلٹی نظر آتی ہیں۔“

ہماری آنکھوں میں دیکھنے کی جو صلاحیت ہے، وہ ہمیں اِس زمینی دُنیا کو بہت خوشنما بنا کر دکھاتی ہے۔ اِس زمینی ماحول میں ہمارے اِرد گرد ایسی بہت سی بدنما چیزیں بھی موجود ہیں کہ اگر ہم اپنے ماحول کو اُس کی اصلی حالت میں دیکھ لیں تو ہمیں اِس زمینی دُنیا سے کبھی محبت نہ ہو سکے، مگر ہم یہ صلاحیت نہیں رکھتے۔

ہماری آنکھیں اِس زمینی ماحول کی حقیقت کیوں نہیں دیکھ

پاتیں، یہ جاننے کیلئے ہم چند مختلف پہلوؤں سے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) ناقابلِ دید برقی مقناطیسی لہریں

(electromagnetic waves)

روشنی کی قابلِ دید شعائیں تقریباً تین لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سورج سے زمین کی طرف آتی ہیں، جن کی وجہ سے ہم دن کے وقت دیکھ پاتے ہیں۔ اِسی طرح بیرونی کائنات سے دیگر بے شمار قسم کی لہریں بھی ہماری زمین کی طرف آتی ہے۔ اُن میں سے کچھ زمین کے بالائی کرّوں میں فلٹر ہو جاتی ہیں، جو تھوڑی بہت زمین کی سطح تک پہنچتی ہیں اُنہیں بھی ہم دیکھ نہیں پاتے۔[۱]

اِنسانی آنکھ کو دکھائی دینے والی روشنی visible light کہلاتی ہے۔ یہ الٹرا وائلٹ اور اِنفرا ریڈ کے درمیان پایا جانے والا بہت چھوٹا سا حصہ ہے۔ ہماری آنکھ روشنی کی موجودگی میں صرف سات رنگوں کو دیکھ سکتی ہے۔ اُن سات فریکیوئنسیز (frequencies) کے علاوہ بھی ہمارے چاروں طرف بے شمار قسم کی ایسی فریکیوئنسیز موجود ہیں، جنہیں ہماری آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں۔[۲] جیسا کہ:

1.radio waves	2.microwaves
3.infrared	4.ultraviolet
5.x-rays	6.gamma-rays

- اگر ہم gamma-vision میں دیکھنے کے قابل ہو جائیں تو ہمیں دُنیا میں موجود ریڈی ایشن نظر آنا شروع ہو جائے گی۔
- اگر ہم x-ray vision میں دیکھنے کے قابل ہو جائیں تو ہمارے لئے موٹی سے موٹی دیواروں کے اندر دیکھنے کی اہلیت پیدا ہو جائے گی۔
- اگر ہم ultraviolet-vision میں دیکھنے کے قابل ہو جائیں تو ہم توانائی کے مختلف روپ دیکھنے کے قابل ہو جائیں گے۔
- اگر ہم infrared-vision میں دیکھنا شروع کر دیں تو ہمیں مختلف اَجسام سے نکلنے والی حرارت نظر آنے لگے گی۔
- اِسی طرح اگر ہم microwave-vision اور radio wave-vision کو بھی دیکھنے کے قابل ہو جائیں تو ایک طرف تو ہم اُن نظاروں کی وجہ سے سپر پاور صلاحیتیں حاصل کر لیں گے، مگر دُوسری طرف موجودہ دُنیا کا سارا حسن خاک میں مل جائے گا۔

کسی قسم کی سائنسی تفصیلات میں جائے بغیر ہم صرف موبائل فون کے سگنلز پر ہی غور کر لیں کہ اگر ہماری آنکھیں اُنہیں دیکھنے کے قابل ہو جائیں تو ہمارے لئے جینا کس قدر دُشوار ہو کر رہ جائے گا! ہمارے اِرد گرد ہر وقت ہزاروں قسم کے ناقابلِ دید سگنلز موجود ہوتے ہیں۔ اگر ہماری آنکھیں اُن سگنلز کو دیکھنے کے قابل ہو جائیں تو یہ دُنیا ہمارے رہنے کے قابل نہیں رہے گی۔ اندازہ کریں کہ جب ہمیں اپنے ہر طرف سگنلز کی بھرمار دکھائی دینے لگے گی تو آس پاس کی اشیاء کو دیکھنا کتنا دُشوار ہو جائے گا! اب چشمِ تصور میں سوچیں کہ موجودہ قابلِ دید مناظر موبائل سگنلز کی موجودگی میں ہمیں کیسے دکھائی دیں گے!! یہ بھیانک منظر ہم اپنے تصور میں بھی دیکھ لیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں!!!

(۲) قابلِ دید رنگوں کی دُنیا

(the world of visible colors)

زمینی ماحول کی حقیقت کو جاننے کے لیے دوسرا پہلو قابلِ دید رنگوں (colors) کے حوالے سے ہے۔ یہ دُنیا ہر جاندار کو حتی کہ ہر اِنسان کو بھی ایک جیسی دکھائی نہیں دیتی۔ ہر جاندار اِسے مختلف رنگوں میں دیکھتا ہے۔ اِسی طرح بہت سے اِنسان بھی اِسے مختلف رنگوں میں دیکھتے ہیں۔ جو لوگ دیگر عام اِنسانوں کی طرح روشنی کے ساتوں رنگوں کو نہیں دیکھ پاتے، اُنہیں عام طور پر ''کلر بلائنڈ'' کہا جاتا ہے۔ دُنیا میں ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو پیدائشی طور پر کلر بلائنڈ ہیں، یعنی وہ چند رنگوں کو ٹھیک سے دیکھ نہیں پاتے۔ زیادہ تر کلر بلائنڈ اَفراد کو سرخ اور سبز رنگ ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتے۔ روشنی کی کمی کی صورت میں تمام اِنسان کلر بلائنڈ ہو جاتے ہیں، جس کا نظارہ ہم چاندنی رات

(۱) https://imagine.gsfc.nasa.gov/science/toolbox/emspectrum1.html

(۲) https://askabiologist.asu.edu/spectrum-light

میں بخوبی کر سکتے ہیں۔ چاندنی رات میں کسی ایسے باغ کا وزٹ کریں جہاں چاندنی کے سِوا کسی قسم کی روشنی موجود نہ ہو تو ہم رنگ برنگے پھولوں کے حقیقی رنگ نہ دیکھ پائیں گے۔

ہماری ہی دُنیا میں ایسی مخلوقات بھی موجود ہیں جن کا visual-spectrum ہم سے مختلف ہے۔ بہت سے جانوروں کیلئے عام اِنسانوں کی طرح ساتوں رنگوں کو دیکھ پانا ممکن نہیں ہوتا۔ اِس لئے وہ بھی اِس دنیا کی رنگینیوں سے مستقل طور پر ناآشنا ہوتے ہیں۔ جبکہ دُوسری طرف بعض جانداروں کے ہاں قابلِ دید رنگوں کی کون (cone) اِنسان کی طرح تین رنگوں (سرخ، سبز، نیلے) تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ وہ مزید رنگوں کو بھی دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔

شہد کی مکھیاں اور تتلیاں ایسے رنگ دیکھ سکتی ہیں جو ہم اِنسان نہیں دیکھ سکتے۔ اُن کے رنگین وِیژن کی حدود بالا بنفشی (ultraviolet) رنگ تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔[1] اُن کی آسانی کیلئے خالقِ کائنات نے بعض پھولوں کی پتیوں میں خاص قسم کے بالا بنفشی پیٹرن بنا رکھے ہیں، جو پھولوں کی گہرائی تک اُن کی رہنمائی کرتے ہیں۔

چھپکلیوں کے رنگوں کی دُنیا میں اِنسان کے قابلِ شناخت رنگوں کے علاوہ بھی بہت سے رنگ موجود ہیں۔ اُن کی کلر کون (color cone) اِنسان کی طرح تین کی بجائے چار رنگوں پر منحصر ہے۔ حتیٰ کہ وہ رات کے اندھیرے میں بھی بعض رنگوں کو بخوبی دیکھ سکتی ہیں۔ اسی طرح اُلوؤں سمیت رات کو جاگنے والے اکثر جانداروں میں اللہ تعالی نے یہ طاقت رکھی ہے کہ وہ گہرے اندھیرے میں بھی بخوبی دیکھ سکیں۔ ایسا اُن کا وِیژن اِنسانوں کی نسبت بہت مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اِنسانی صلاحیتوں کے برعکس غوطہ خور پرندے خاصی اُونچی اُڑان کے دوران پانی کے نیچے موجود مچھلی کو دیکھ کر شکار کر لیتے ہیں، جس سے اُن کے خاص وِیژن کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح بعض اَقسام کے بندر صرف نیلا اور پیلا رنگ دیکھ سکتے ہیں، اُنہیں سبز اور سرخ رنگ دکھائی نہیں دیتے۔ گھوڑے اور گدھے سرخ رنگ کو نہیں دیکھ سکتے، چنانچہ اُن کا وِیژن اِنسانوں کی نسبت بہت مختلف ہے اور یہ دُنیا اُنہیں عجیب پھیکے رنگوں میں دکھائی دیتی ہے۔ اِنسانوں کے ساتھ رہنے کے باوُجود وہ دُنیا کی وہ رنگینیاں نہیں دیکھ سکتے جنہیں اِنسان روز دیکھتا ہے۔[2] اس کا تجربہ ہم یوں کر سکتے ہیں کہ اپنے موبائل کی مدد سے کسی خوبصورت منظر کی تصویر بنائیں اور پھر اُس کے بعد اُس میں سے سرخ رنگ کو غائب کر کے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ دُنیا گھوڑوں اور گدھوں کو کیسی دکھائی دیتی ہے!

شمالی امریکہ میں پائے جانے والے Pronghorn Antelope نامی منفرد ہرن کی قوتِ بصارت اِتنی تیز ہے کہ وہ رات کے وقت سیارہ زحل (Saturn) کے گرد واقع ہالے (rings) کو بآسانی دیکھ سکتا ہے۔[3]

(۳) سہ جہتی دنیا سے ماوراء
(beyond the three-dimensional world)

زمینی ماحول کی حقیقت کو جاننے کے تیسرے پہلو کا تعلق جہات (directions) سے ہے۔ ہم اِنسان ایک ایسی دُنیا میں رہنے کے عادی ہیں جہاں تین جہات (3d) ''لمبائی، چوڑائی، اُونچائی'' یا دُوسرے لفظوں میں ''دائیں- بائیں... آگے- پیچھے... اُوپر- نیچے'' پائی جاتی ہیں۔ ہمارے اِرد گرد دکھائی دینے والی تمام چیزیں تین جہات یا اَبعاد (three dimenssions) پر مبنی ہوتی ہیں، چنانچہ ہم تین جہات کے ایسے عادی ہو چکے ہیں کہ کسی چوتھی جہت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

جہات اور اَبعاد کا تصور سمجھنے کیلئے اِن چار بنیادی اصطلاحات کو سمجھنے کی ضرورت ہے:

- نقطہ (point): نقطے میں کوئی جہت نہیں ہوتی۔
- خط (line): دو نقطوں کو ملانے والے خط یعنی لائن میں صرف

---

(۱) https://askabiologist.asu.edu/colors-animals-see

(۲) https://washingtonvisiontherapy.com/how-are-human-eyes-different-from-animal-eyes

(۳) https://www.snopes.com/fact-check/pronghorn-antelope-saturn/

ایک جہت "لمبائی" پائی جاتی ہے۔ جو کہ دائیں-بائیں ہے۔

- سطح (surface): کسی کمرے کے فرش یا دیوار کی سطح میں صرف دو جہات "لمبائی" اور "چوڑائی" پائی جاتی ہیں۔ جو کہ دائیں-بائیں اور اُوپر-نیچے ہیں۔
- مکعب (cube): صندوق نما چیزوں میں تین جہات "لمبائی"، "چوڑائی" اور "اونچائی" کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ دائیں-بائیں، اوپر-نیچے اور آگے-پیچھے تین جہات ہیں۔

بعض جاندار ہو بہو اِنسانوں کی طرح تین جہات (3d) کو نہیں سمجھ پاتے، اُن کیلئے دُنیا تین سے کم یا زیادہ جہات پر مبنی ہو سکتی ہے۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں چیزوں کی لمبائی، چوڑائی اور اُونچائی کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اَب اگر کسی جاندار کے پاس اپنے ماحول کو صرف دو جہتوں میں جاننے کی حِس موجود ہو اور وہ تیسری جہت کو سمجھنے والی حِس نہ رکھتا ہو تو اُس کیلئے تین جہات (3D) کو سمجھنا ناممکن ہوگا۔ سائنسدانوں کے نزدیک یہی وجہ ہے کہ ہم اِنسان تین جہات سے آگے کسی جہت کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہمیں تیسری جہت (یعنی گہرائی یا بُعد) کو ٹھیک سے سمجھنے کیلئے کم از کم دو آنکھوں کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ چوتھی جہت کو سمجھنے کیلئے یہ دو آنکھیں ناکافی ہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوقات پیدا کر رکھی ہوں جو معروف تین جہات (لمبائی، چوڑائی، گہرائی) سے الگ کسی اور جہت کو بھی محسوس کر سکتی ہوں۔

ایک تھیوری کے مطابق صرف وہی جاندار اِس دُنیا میں تین جہات (لمبائی، چوڑائی، اُونچائی) کو محسوس کر پاتے ہیں جن کی دونوں آنکھیں اِنسانوں کی طرح سر کے سامنے والی سمت میں نصب ہوں۔[1] سر کے دائیں بائیں الگ الگ ویژن رکھنے والے جاندار صرف دو جہات (لمبائی اور چوڑائی) کو محسوس کر سکتے ہیں، اُونچائی یا گہرائی کو نہیں۔ اس کو اس بات سے سمجھیں کہ اگر ہم اپنی ایک آنکھ پر پٹی باندھ کر اُسے بند کر دیں اور ٹیبل ٹینس کھیلیں تو ہمیں اپنی طرف آتی ہوئی گیند کا رُخ درست سمجھ میں نہیں آتا ہے!!

اللہ ربّ العزت نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے کہ شیطان اور اُس کا قبیلہ اِنسانوں کو گمراہ کرنے اور وسوسہ اندازی کرنے کے لیے وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے اِنسان اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ گویا وہ لمبائی، چوڑائی، گہرائی جیسی معروف تینوں جہات سے ہٹ کر کسی اور جہت سے اِنسانوں کو دیکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔ (الاعراف، ۷: ۲۷)

"بیشک وہ (خود) اور اُس کا قبیلہ تمہیں (وہاں سے) دیکھتا (رہتا) ہے جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھ سکتے۔"

بہت سے لوگ اِس نظریہ پر یقین رکھتے ہیں کہ بعض جانداروں کو طوفان، زلزلے اور قدرتی آفات کا وقت سے پہلے اِس لئے پتہ چل جاتا ہے، کیونکہ وہ اِنسانوں کے ہاں معروف تین جہات (3d) سے بڑھ کر مزید کچھ جہات کو بھی سمجھ پاتے ہیں۔

سہ جہتی دُنیا کو سمجھنے کیلئے ذرا یوں سوچیں کہ زمین پر چلتے پھرتے وقت ہم عمارتوں کی دیواروں کو تو دیکھ سکتے ہیں، مگر بالعموم اُن عمارتوں کی چھتوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ پرندے چونکہ اُڑنا جانتے ہیں اِس لئے وہ اُڑتے وقت صحیح معنوں میں تینوں جہات (3d) کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اِنسان عام طور پر زمین کے اُوپر چلتے پھرتے وقت صرف آگے کی سمت چلتا ہے یا کبھی کوشش کر کے اُلٹے قدموں چل سکتا ہے۔ اِسی طرح دائیں اور بائیں سمت بھی چلا جا سکتا ہے، مگر چونکہ وہ پرندوں کی طرح اُڑ نہیں سکتا اِس لئے اُوپر نیچے جانے کیلئے اُسے سیڑھیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اپنی پیدائش کے ہزاروں سالوں بعد پچھلی صدی میں اِنسان نے ہوائی جہاز اِیجاد کر لیا، جس کے بعد اُس نے باقاعدہ اُڑنا شروع کر دیا اور پرندوں کی طرح تین جہات (3d) کو محسوس کرنا ایک معمول بن گیا۔ مگر اُس کے باوجود اِکیسویں صدی میں بھی اربوں اِنسانوں سے آباد سیارے پر ایسے اِنسانوں کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے جہاز میں سفر کرتے ہوئے باقاعدہ طور پر بالائی جہت سے زمین کو دیکھ رکھا ہو۔ اِسی طرح بہت کم اِنسان سیٹلائٹ امیجز کی مدد یہ سمجھ سکتے ہیں کہ بیرونی خلاء سے زمین کیسی دکھائی دیتی

(1) https://washingtonvisiontherapy.com/how-are-human-eyes-different-from-animal-eyes

ہے! یوں اُن کے محسوسات کی جہتیں عملاً محدود رہتی ہیں۔

(۴) وقت مطلق نہیں اِضافی ہے

وقت ایک اِحساس کا نام ہے، جو مختلف کائناتوں میں مختلف حیثیت رکھتا ہے۔ اِسی طرح زمین پر موجود مختلف جانداروں کیلئے بھی وقت کی حیثیت مطلق (absolute) نہیں بلکہ اِضافی (relative) ہے۔ اِس کرۂ ارض پر ایسی مخلوقات بھی موجود ہیں جن کی عمر چند گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتی، اور اِسی طرح ایسی مخلوقات بھی ہیں جن کی عمر صدیوں طویل ہوتی ہے۔

وقت کے حوالے سے ہر مخلوق کا اِحساس ایک دُوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ سب مخلوقات پہ وقت اِنسانوں جیسے اِحساس کے ساتھ نہیں گزرتا۔ بحیثیتِ اِنسان ہمیں شارک مچھلی کی 500 سالہ زندگی بہت طویل العمری محسوس ہوتی ہے اور اُس کے برعکس بعض کیڑوں مکوڑوں کی چند گھنٹوں یا چند دنوں کی زندگی بہت مختصر محسوس ہوتی ہے۔ جبکہ عین ممکن ہے کہ شارک مچھلی کے اِحساسات کے تناسب سے اُس کی صدیوں طویل عمر اُسے بہت تیزی سے گزرتی ہوئی محسوس ہوتی ہو اور کیڑوں مکوڑوں کو اپنی چند دن کی زندگی بھی طویل محسوس ہوتی ہو۔

جب کبھی وقت اِنسانی محسوسات کے برخلاف زیادہ تیزی سے یا سُست روِی سے گزرتا ہوا محسوس ہو تو اِسلامی لٹریچر کی اِصطلاح میں اُسے طیِّ زمانی کا نام دیا جاتا ہے۔ قیامت کا دن بھی طیِّ زمانی ہی کی ایک صورت میں برپا ہوگا، جس میں وقت کے گزرنے کی شرح مختلف ہوگی۔ وہ دن بعض لوگوں کیلئے محض پلک جھپکنے میں گزر جائے گا اور بعض دُوسرے لوگوں کے لئے ایک ہزار یا پچاس ہزار سال تک طوِیل ہو جائے گا۔ ارشاد فرمایا:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ

"اس (کے عرش) کی طرف فرشتے اور روح الامین عروج کرتے ہیں ایک دن میں، جس کا اندازہ (دنیوی حساب سے) پچاس ہزار برس کا ہے۔" (المعارج، ۷۰: ۴)

چونکہ وقت محض ایک نفسی اِدراک ہے، جسے ہر فرد اپنے مخصوص حالات کے پس منظر میں محسوس کرتا ہے، اِس لئے اللہ کے برگزیدہ و محبوب بندوں کیلئے وہ دن مشاہدۂ حق کے اِستغراق میں نہایت تیزی سے گزر جائے گا، جبکہ دُوسری طرف عام لوگوں پر مشاہدۂ حق کی بجائے کرب واذیّت کا اِحساس غالب ہوگا، جس کی وجہ سے اُن کیلئے وہی دِن حسبِ حالت ایک ہزار یا پچاس ہزار سال پر محیط ہوگا۔

اِس زمینی دنیا میں کسی شخص کی پوری زندگی جو اُسے 60 یا 70 سال کی طویل تاریخ کے طور پر محسوس ہوتی ہے، وہ اِس کائنات کی اربوں سالہ زندگی کے مقابلے میں بہت مختصر ہے۔ جب اِنسان موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ سوچے گا کہ اُس کی زندگی تو چند ساعتوں سے زیادہ نہیں تھی۔ ارشاد فرمایا:

وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ کَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ۔

(یونس، ۱۰: ۴۵)

"اور جس دن وہ انہیں جمع کرے گا (وہ محسوس کریں گے) گویا وہ دن کی ایک گھڑی کے سوا دنیا میں ٹھہرے ہی نہ تھے۔"

ماحصل

اِس زمینی دُنیا میں جاری وساری نظام اور روز بروز پیش آنے والے واقعات اِنسانی عقل کو عاجز کرنے کیلئے کافی ہیں۔ اگرچہ سائنسی ترقی کی بدولت ہم اِس کائنات کے فطری قوانین کو جزوِی طور پر سمجھنے لگ گئے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ سارا نظامِ کائنات اِنسانی عقل میں نہیں سما سکتا۔ دُنیا میں جو بھی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ ہی ہے، البتہ اُن میں سے بعض کی ہمیں عادت ہوگئی ہے اور ہم اُنہیں معمولی سمجھتے ہیں۔ اگر ہم رک کر سوچیں تو ہماری عقل اِس نظام کو مکمل طور پر سمجھنے سے عاجز ہے۔ آخرت کا درجہ و مرتبہ دُنیا کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔

اللہ ربّ العزت کے نزدیک زمینی زندگی کی رنگینیوں میں کھو کر واپسی کے سفر کو بھول جانے والے لوگ خسارے میں ہیں۔ دُنیا کو آخرت پہ ترجیح دینے والے قرآنِ مجید کی نظر میں گمراہ ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اِس دنیا میں یوں زندہ رہیں کہ "ہم تو دُنیا میں رہیں مگر دُنیا ہمارے دل میں نہ رہے۔" اگر ہم دُنیا کو دل میں جگہ دے دیں تو ہم آخرت کو بھول کر دُنیوی خواہشات کے پیچھے مارے مارے پھرتے رہیں گے، نتیجتاً ہم اپنی عاقبت برباد کر بیٹھیں گے۔ ❀❀❀❀❀

حضور پیر سید نا طاہر علاؤالدین الگیلانی القادری البغدادیؒ

آپ نے اپنے حسنِ خلق، پاکیزہ سیرت، اتباعِ شریعت وطریقت انوارِ معرفت وحقیقت اور برکات وکرامات کے باعث ایک جہان زندہ کردیا

یومِ وصال 23 ذوی القعدہ کی مناسبت سے خصوصی تحریر

سرزمین عراق کے مقدس شہر بغداد شریف کے باب الشیخ میں واقع حرم دیوان خانہ قادریہ میں شیخ المشائخ نقیب الاشراف سیدنا محمود حسام الدینؒ کے گھر اولاد نرینہ میں سب سے چھوٹے اور چھٹے بیٹے کی 18 ربیع الاول 1352ھ کو ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کا نام نامی اسم گرامی ''طاہر علاؤالدین'' رکھا گیا۔ جو بعد ازاں مریدین، معتقدین اور متوسلین میں ''حضور پیر صاحب'' کے محترم ومکرم نام سے معروف ہوئے۔

16 ویں پشت سے آپ کا خاندانی سلسلہ حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے آپ کے فرزند ارجمند حضرت شیخ المشائخ عبدالعزیز قادری جیلانی کے واسطہ سے جاملتا ہے اور 28 واسطوں کے بعد رسول اکرم ﷺ سے جاملتا ہے۔

حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادیؒ کو اپنے جدامجد سیدنا عبدالقادر جیلانی غوث الاعظمؒ کی طرح دونوں ہی نسبتیں حاصل تھیں۔ آپ کو سید الطرفین ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا اور مقام ولایت کے بھی عظیم مقام و مرتبہ پر متمکن تھے۔ حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدینؒ نے دینی تعلیم کی تحصیل وتکمیل دریائے دجلہ کے کنارے واقع مسجد سید سلطان علی میں کی۔ آپ کے اساتذہ میں ملا سید آفندی، مفتی قاسم القبی، سید خلیل الراوی رحمھم اللہ تعالیٰ جیسی معروف علمی شخصیات شامل ہیں۔ مدرسہ دربار غوثیہ میں آپ نے مفتی دولۃ العراقیہ سے بھی اکتساب علم کیا۔

روحانی تعلیم آپ نے اپنے جلیل القدر والد گرامی شیخ طریقت سیدنا محمود حسام الدینؒ کی خصوصی توجہات کے زیر اثر حاصل کی۔ کثرت عبادت وریاضت کے ذریعے آپ نے بہت جلد تمام منازل سلوک طے کرلیں۔ اوائل عمری میں ہی آپ نماز عشاء کے بعد حضور سیدنا غوث الاعظمؒ کے مزار اقدس کے سامنے متوجہ ہوکر کھڑے ہوجاتے اور ساری رات نماز فجر تک وہاں اسی حالت میں قیام فرما ہوکر کسبِ فیض کرتے رہے ہیں۔ آپ کے والد گرامی نے آپ کی روحانیت میں ترقی اور علمی و عملی کامیابیوں کے پیش نظر آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ اپنے والد بزرگوار کے علاوہ بھی آپ نے دیگر کئی روحانی شخصیات سے اکتساب فیض کیا۔

1956ء میں آپ اپنے جدامجد سیدنا غوث الاعظمؒ کے حکم کے مطابق اشاعتِ دین حق اور انسانیت کی رشد وہدایت کا فریضہ ادا کرنے کے لیے پاکستان تشریف لائے اور عارضی مسکن کے طور پر شہر کوئٹہ (بلوچستان) دربار غوثیہ شارع الگیلانی کو منتخب فرمایا۔ قدوۃ الاولیاء حضرت پیر سیدنا طاہر علاؤ الدین القادری الگیلانی البغدادی آپ خانوادۂ غوثیت مآب کے چشم وچراغ ہیں جنہوں نے خرقۂ ولایت اپنے والدِ گرامی حضرت سیدنا محمود حسام الدین القادری البغدادیؒ سے زیب تن کرکے نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ دنیائے شرق وغرب کے دیگر ممالک میں بھی سلسلۂ قادریہ

کی تجدید و توسیع میں ایسی گرانقدر خدمات سر انجام دیں جن کے نقوش جریدۂ عالم سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین فرزندان ارجمند حضرت السید محمود محی الدین الگیلانی، حضرت السید عبدالقادر جمال الدین الگیلانی، حضرت السید محمد ضیاء الدین الگیلانی اور تین صاحبزادیاں عطا فرمائیں۔

آپ نے رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ درج ذیل تصنیف و تالیف کے ذریعے بھی مفید علمی ورثہ چھوڑا ہے:

۱۔ محبوب سبحانی ۲۔ تحفہ الطاہریہ اوراد قادریہ

۳۔ سوانح عمری حضرت غوث الاعظم (انگریزی)

۴۔ فتوح الغیب کا انگریزی ترجمہ

۵۔ شجرہ ہائے قادریہ اور اوراد و وظائف

اخلاق و اوصاف حمیدہ

حضور سیدنا غوث الاعظمؓ سے آپ کی نسبی قربت کا منفرد اعزاز تو تھا ہی لیکن آپ نے اپنے حسنِ خلق، پاکیزہ سیرت، اتباعِ شریعت و طریقت، انوارِ معرفت و حقیقت اور برکات و کرامات کے باعث ایک جہان زندہ کر دیا۔ نگاہِ مردِ مومن سے تقدیریں بدل جاتی ہیں اور اندر کے احوال تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کی گفتگو میں ایسی تاثیر رکھ دی تھی کہ حسنِ مقال کی تمام رعنائیاں پھول بن کر آپ کے لفظ لفظ میں کھل اٹھتیں اور جو تشنہ لب بھی آپ کے در پر آتا، وہ معرفت کے آبِ خنک سے سیراب ہو کر اور اپنے دامنِ آرزو میں حکمت و دانش کے جواہر سمیٹ کر جاتا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال کی دولت بھی وافر عطا فرمائی تھی چنانچہ اس ظاہری و باطنی جمال اور تقویٰ و طہارت کے کمال نے آپؒ کو عوام و خواص سب کے لیے نہایت اعلیٰ مرتبت بنا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے جد امجد حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کے روحانی سفیر اعظم تھے۔ اس لیے اللہ پاک نے آپ کو صورت و سیرت میں ان کا جانشین بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت عوام الناس تو کیا صوفیاء اور مشائخ کے لیے بھی باعثِ رشک اور قابلِ تقلید تھی۔ انہیں کئی بار عالمِ عرب و عجم کے علماء و مشائخ کے جھرمٹ میں دیکھا گیا مگر ہر بار وہی سب کے سر خیل نظر آئے۔

آپؒ کی موجودگی میں کسی کی عظمت و جلالت کا چراغ جلتا تھا اور نہ کسی کی پیشوائی ان سے زیادہ معتبر لگتی تھی۔

آپ تزکیۂ نفس، تصفیۂ باطن، صدق و اخلاص، زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت کا ایک درخشندہ پیکر تھے۔ آپ کی حیات مبارکہ زندگی کے ہر پہلو میں راہنمائی کے لیے مینارہ نور تھی۔ آپ منبع فیوض و برکات، چشمہ روحانیت اور درخشاں و تابندہ ستارۂ علم اور فقر و تصوف کے پیکر اتم تھے۔ کشف و کمالات اور عرفان و آگہی کی دولت بے بہا سے مالا مال تھے۔ آپ کی محبت آمیز اور شیریں گفتار کے زیر اثر ملاقات کا شرف حاصل کرنے والا سب دکھ، درد اور غم و آلام بھول جاتا۔ آپ بڑے متقی، پرہیزگار، شب زندہ دار، شریعت محمدی ﷺ کے سخت پابند تھے۔ راست گوئی، صدق مقال اور اکل حلال کی پر زور تلقین فرماتے۔

حضور شیخ المشائخ سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادیؒ کے اخلاق واوصافِ حمیدہ حسنِ اخلاق کے وہ جواہر ہیں، جن سے ہم اپنی ویران زندگیوں کو پھر سے باغ و بہار میں بدل سکتے ہیں۔ ذیل میں حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادیؒ کے اخلاقِ حمیدہ کے کچھ اوصاف کا ذکر اس غرض سے درج کیا جا رہا ہے کہ ایک طرف ہم جہاں حضور پیر صاحبؒ کے اخلاق و اوصاف سے متعارف ہوں تو دوسری طرف ان اخلاقِ حمیدہ کو اپنے اندر بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں:

۱۔ حضور پیر صاحبؒ مجالس میں کم بولتے اور زیادہ دیر خاموش بیٹھے رہتے۔ آپ کا معمول تھا کہ سر مبارک جھکا کر دیر تک دوسروں کا کلام سنتے رہتے۔ حضور پیر صاحب کی شخصیت میں موجود خلق کا یہ پہلو ہم سب کے لئے بہت سبق آموز ہے۔ آج ہم کثیر الکلام اور قلیل السکوت ہو گئے ہیں اور خاموش نہ رہنے کی عادت کی بناء پر ہم اپنے احوال پر غور و فکر کرنے سے بھی محروم رہ گئے۔

۲۔ حضور پیر صاحبؒ حاضرین و سامعین کے حسب حال اور حسبِ ضرورت کلام فرماتے۔ علماء کے سامنے علمی گفتگو اور مریدین، فقراء اور روحانی الذہن افراد سے ان کی ضرورت کے مطابق کلام کرتے۔ اسی طرح طلبہ، اطباء، حکماء سامنے ہوتے تو ان کے مطابق لطائف و رموز سے مزین گفتگو فرماتے۔ اسی طرح

علم جغرافیہ، سمندری علوم، علم جفر، رمل، علم نجوم، سیاست اور بین الاقوامی امور پر آپ حسب ضرورت ایسی سیر حاصل گفتگو فرماتے اور ایسے ایسے گوشے وا فرماتے کہ اس میدان کے متخصصین بھی حیران رہ جاتے۔

آپ کی یہ فضیلت صرف ظاہری علوم تک محدود نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو اس علم کے علاوہ خصوصی ”علمِ لدنی“ سے بھی نوازتا ہے جس طرح وہ انبیاء ورسل علیہم السلام کو علم و معرفت کے سمندروں سے نوازتا رہا۔ سیدنا طاہر علاؤالدینؒ کو بھی اسی علم و معرفت کے خزانے سے نواز رکھا تھا۔ علاوہ ازیں امہات الکتب، تفاسیر، احادیث اور عقائد سے متعلق ذخیرہ کتب پر بھی آپ کی گہری نظر تھی اور مسائل پر ائمہ اربعہ کی آراء سے پوری طرح آگاہ تھے۔

۳۔ سچ بولنا، سچ سننا، سچ کو پسند کرنا، ایفائے عہد، سخاوت اور مہمان نوازی میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ یہ تمام اخلاقِ حسنہ آپ کی فطرتِ ثانیہ تھے۔ آپ سراپا صداقت اور سچائی ہی سچائی تھے۔ راست بازی اور راست گوئی آپ کے خمیر میں شامل تھی۔ جو وعدہ کرتے وہ پورا کرتے۔ ایفائے عہد اور پابندی وقت کا بہت اہتمام فرماتے اور لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ کے فرمان الٰہی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے آپ کی شخصیت رنگی ہوئی تھی اور سیرت محمدی کا فیضان پوری طرح آپ کی زندگی میں رچ بس گیا تھا۔

۴۔ حضور پیر صاحب چونکہ خود صاحب علم اور علم کا سمندر تھے، اس لیے آپ علم کے بڑے قدر دان تھے اور علماء کی تکریم فرماتے اور ان کی خاطر مدارات کرنے میں وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے۔ حضور پیر صاحبؒ کے پاس وقت کے حکمرانوں سے لے کر عام سائلین تک ہر شعبہ زندگی کے لوگ حاضر ہوتے، ان میں اکثر دعا کے لیے عرض کرتے اور آپ دعا فرمادیتے۔ بعض لوگ عمداً یا احتیاجاً مختلف مسائل پر آپ کی رائے بھی لیتے یا پھر بات سے بات چل نکلتی، دونوں صورتوں میں آپ مخاطب کی ذاتی، علمی، خاندانی اور پیشہ وارانہ حیثیت کو سامنے رکھ کر سیر حاصل گفتگو فرماتے لیکن آپ نے کبھی کسی کی تحقیر نہیں کی اور نہ ہی کسی آنے والے کو نظر انداز کیا۔

آپ کی محفل میں ہر آنے والے کو حسبِ حال مراد مل جاتی۔ گویا علماء کو علم کے موتی، حکماء کو حکمت و تدبر کے جواہر اور اہلِ عشق و محبت کو قرب و نظر کا سکون و قرار میسر آتا۔

۵۔ حضور پیر صاحبؒ سربراہِ وقت، امراء و حکام کے دروازے پر کبھی نہ جاتے تھے۔ آپ نے کسی اہل دنیا کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کیا تھا۔ آپ سائل نہیں بلکہ معطی تھے اور ہمیشہ معطی رہے۔ آپ کا ہاتھ دینے والا تھا، لینے والا نہیں تھا، آپ حضور غوث پاکؓ کی سنت پر دل و جاں سے عمل کرتے تھے۔ امراء اور بڑے بڑے متمول افراد کے ہاں آنا جانا کبھی آپ کا معمول نہ تھا بلکہ اس کے برعکس بڑے صاحب ثروت اور دنیادار لوگ آپ کے دروازے پر سائل بن کر آتے تھے۔ استغناء اور شانِ بے نیازی آپ کے کردار سے جھلکتی تھی جو کسی اہل دولِ سے رسم وراہ رکھنے میں حائل تھی۔ چشمِ فلک نے بارہا منظر دیکھا کہ دنیادار لوگ بارہا آپ کے دروازے پر آتے لیکن آپ نے کسی سربراہ، حاکم، امیر کے دروازے پر جانے کا سوچا بھی نہیں۔

۶۔ آپ زہد و ورع، تقویٰ و پرہیزگاری، پابندی شریعت اور اتباعِ سنت میں استقامت کے کوہِ گراں تھے۔ آپ کی پوری زندگی اطاعتِ حق اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کا نمونہ تھی۔ آپ طہارت، تقویٰ و پرہیزگاری کے عظیم پیکر تھے۔ تقوی اور پرہیزگاری کا اتنا خیال رکھتے کہ اتباعِ سنت اور خلقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا اوڑھنا بچھونا ہوتا تھا اور پوری زندگی ظاہری و باطنی طہارت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔

۷۔ آپ کے چہرہ مبارک پر ہر وقت تبسم کھلتا رہتا، نیم وا لبوں پر اکثر مسکراہٹ رہتی جو ایک جمال آفریں کیفیت کی آئینہ دار تھی، جب بھی آپ کسی مرید یا عقیدت مند سے بات کرتے تو شفقت پدری بولتی محسوس ہوتی۔ کسی کی عزت نفس کو مجروح نہ ہونے دیتے، جو بات کہتے شائستگی اور اخلاق کے دائرے کے اندر ہوتی اور اگر کسی پر غضبناک بھی ہوتے تو خلافِ حق اور ظلم و زیادتی کی بات پر ہوتے ورنہ وہ ہر ایک کے لئے سراپا رحمت اور سراپا شفقت تھے۔ نرمی و شفقت اور اخلاق کے ساتھ ملتے، کسی

ملاقاتی سے مصافحہ کرتے تو پورا ہاتھ ملاتے اور ہمہ تن متوجہ ہوتے۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والا ہر شخص یہ سمجھتا کہ مجھ پر سب سے زیادہ شفیق ہیں۔ مجلس میں ایک ایک آدمی پر نظر ہوتی۔ آپ کی نگاہیں ہر ایک کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہوتیں سب سے یکساں محبت وعاطفت سے پیش آتے۔

۸۔ ایک خاص خوبی جو حضور غوث پاک کی نسبت سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔ آپ کی سوچ اور فکر میں بہت وسعت اور کشادگی تھی، تنگ نظری نام کو نہ تھی۔ آپ کے انداز میں بے پایاں حکمت وتدبر، بصیرت اور فراست تھی جو سالہا سال کے تجربات کا حاصل تھی۔ کسی کی چھوٹی سی کہی ہوئی بات سن کر فوراً تہہ تک پہنچ جاتے۔

۹۔ حضور قدوۃ الاولیاء کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ آپ پابندِ شریعت، عارف باللہ اور فنافی الرسول ﷺ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یقین وایمان کی فراوانی سے نواز رکھا تھا۔ یہ کیفیت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب انسان منبع فیض یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نبی کریم ﷺ سے اطاعت و محبت کا مضبوط تعلق رکھتا ہو اور یہ تعلق اسے اٹھتے بیٹھتے سراپا ذکر بنادے۔ اسی تعلق کو تصوف و طریقت میں "فنائیت" کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک بامراد مرید کی طرح آپ بھی اپنے جد اعلیٰ حضور غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ سے فنائیت کی حد تک عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ بیعت فرمانے کے بعد جب آپ اوراد و وظائف کی تلقین فرماتے تو ہمیشہ فرماتے: "تم غوث الاعظمؓ کا مرید ہوگیا ہے۔" یہ معمولی بات نہیں، بہت بڑے حوصلے، اعلیٰ مقام و مرتبہ اور حضور غوث الاعظمؓ سے قربِ تعلق کی علامت ہے۔

محافل ذکر و نعت میں آپؒ جذب و ضبط کا مجسمہ بنے رہتے لیکن کئی بار دیکھنے میں آیا کہ حضور غوث الاعظمؓ کی منقبت سنتے سنتے ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے اور بے اختیار وجد آور کیفیت میں "المدد یا غوث الاعظم المدد یا دستگیر" کا ورد فرماتے۔ آپ کو اپنے جد اعلیٰ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ سے جو جذباتی لگاؤ اور موانست تھی اس کا ظہار لفظوں کی زبان سے ناممکن ہے۔

جب بھی دعا فرماتے تو حضور نبی کریم ﷺ اور حضور غوث پاکؓ کے وسیلہ جلیلہ سے مانگتے۔ الغرض آپ کی ہر سانس اور ہر دھڑکن میں ذکرِ الٰہی کے بعد سرورِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ اور سیدنا غوث الاعظمؓ کی یادیں اور ادائیں سمٹ آتی تھیں۔ ان دونوں ہستیوں سے آپؒ کا نہ صرف قابلِ رشک روحانی اور دینی تعلق تھا بلکہ نسبی اور خونی تعلق بھی تھا اور یہ نسبت کوئی عام نسبت نہیں، بہت بڑی سعادت اور منفرد شرف ہے جس پر آپ جتنا ناز کرتے، کم تھا۔ آپ اس نسبت کی لاج بھی رکھتے اور ہمیشہ اس کا ادب و لحاظ بھی فرماتے۔ ہر فضل و کمال کی نسبت نبی اکرم ﷺ اور سیدنا غوث الاعظمؓ کی طرف منسوب فرماتے۔ یہ آپ کا اظہار عجز بھی تھا اور مقام محبت و فنائیت بھی۔

الغرض حضور پیر صاحبؒ صوفیانہ بصیرت اور معتدل طبیعت کے حامل تھے۔ بطور عقیدت مند اور مرید ہمیں بھی حضور پیر صاحبؒ کے اِن اخلاقِ حمیدہ سے اپنے سیرت و کردار کو سنوارنے کے لیے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔ اسی صورت ہم ان کے علم و روحانیت کے صحیح خوشہ چین بنتے ہوئے ان کے فیض سے اپنے دامن کو مالامال کر سکتے ہیں۔

شریعت اور طریقت پر کاربند

شریعت اور طریقت ہر دو پر حضور پیر صاحبؒ کی شخصیت اسلامی تعلیمات کی روح کے عین مطابق عمل پیرا تھی۔ آپ نہ صرف عملی طور پر شریعت و طریقت پر کاربند تھے بلکہ اپنے مریدین اور عقیدت مندوں کو بھی ان دونوں کے بارے آگاہ فرماتے رہتے۔

ایک موقع پر شریعت اور حقیقت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے حضور پیر صاحبؒ نے فرمایا:

شریعت اور حقیقت اہل طریقت کے لیے اصطلاحات ہیں۔ شریعت تو ظاہری عمل اور حال کی صحت کو ظاہر کرتی ہے اور حقیقت باطن کے احوال صحت مند ہونے یا نہ ہونے کو۔ اس لیے ایک مومنِ حقیقی میں ہر دو کا اجتماع ضروری ہے۔ حقیقت کتنی ہی قوت سے منکشف کیوں نہ ہو پھر بھی بجز شریعت، حقیقت کا منکشف ہونا قطعی ناممکن ہے کیونکہ حقیقت تو شریعت پر مکمل طور

پر مطابقِ سنت نبی علیہ السلام عمل درآمد کرکے نور باطنی پالینے کا نام ہے۔ شریعت کسی بھی حال میں کسی شخص سے خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو ساقط نہیں ہوسکتی اور اس کی تعمیل ہر حالت میں فرض ہے۔ پس حقیقت سے مراد باطنی اور حقیقی صفات کی تکمیل اور تزکیہ قلب اور مخالفتِ نفس ہے جو تصوف کا بنیادی منشا ہے۔

حقیقت خداوند تعالیٰ کی طرف سے نگہداشت، توفیق، رہنمائی اور عفت و حفاظت کا نام ہے، لہذا حقیقت کا قیام شریعت کے بغیر محال ہے اور اسی طرح شریعت کا قیام حقیقت کے روحانی اور اخلاقی آداب بجالانے کے بغیر محال ہوگا۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کوئی شخص جب تک کہ روح اس کے جسم میں جاری و ساری رہتی ہے وہ زندہ ہے مگر جب وہ علیحدہ ہوجاتی ہے تو وہ بے جان بلکہ مردہ ہوجاتا ہے۔ لہذا شریعت اور حقیقت دونوں ایمان و انسان کے لیے منزلہ روح و جسم کے ہیں جیسے کہ جسم اور روح کی تمام قدر و قیمت ایک دوسرے کے وصل و اتحاد سے ہوتی ہے، اسی طرح شریعت بلا حقیقت یا حقیقت بلا شریعت نفاق اور گمراہی ہے۔

پس شریعت مجاہدہ ہے اور ہدایت و مشاہدہ اس کی حقیقت ہے جو باالفاظ دیگر ظاہر کی باطنی رہنمائی ہے۔ جب مجاہدہ نہ ہوگا تو مشاہدہ کہاں سے ملے گا۔ جب شریعت ترک کردی جائے گی تو حقیقت کے وارد ہونے کے کیا معنیٰ؟ لہذا شریعت اگر ایک دینی چیز ہے تو حقیقت سراسر دینی۔ حقیقت نے آخری دم تک شریعت کے احکام سے کسی حکم کو نظرانداز نہیں کیا تو صرف باطنی نماز اور روزہ کا سبق دینے والے اور شریعت پر عمل نہ کرنے والے پیر نہیں بلکہ ملحد، کافر، بے دین، عیش پرست، تن اور شہوت پرست ہیں جو سادہ لوح مسلمانوں کو گناہگار بنا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مکر و شر سے بچائے۔

حضور پیر صاحبؒ اور تحریک منہاج القرآن

قدوۃ الاولیاء حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادیؒ دنیائے ولایت کے اس آفتاب درخشاں کا نام ہے جن کے فیض سے احیائے اسلام اور تجدید دین کی عظیم تحریک ''تحریک منہاج القرآن'' کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت قلیل عرصے میں اس مشن کو وہ فروغ اور پذیرائی نصیب ہوئی کہ آنے والا ہر لمحہ اس تحریک کی قبولیت، مقبولیت اور وسعت کا پیامبر بن گیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تر علمی، فکری، تحریکی اور روحانی سوچ کے پسِ منظر میں در حقیقت حضور پیر صاحبؒ کی روحانی سرپرستی کارفرما ہے۔

تحریک منہاج القرآن کے ساتھ حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدینؒ کا تعلق ان کی حیات مبارکہ میں بھی جاری و ساری رہا اور آج بھی روحانی طور پر جاری و ساری ہے۔ ایک مرتبہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری سے سوال کیا گیا کہ ان کے موجودہ مقام و مرتبے تک پہنچنے میں ان کے پیر طریقت حضور پیر سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادیؒ نے کیا کردار ادا کیا؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے لطف و کرم اور عنایات سے جو روحانی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں، میں بہ دل و جان یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے لیے ان تمام تر فیوض و برکات کا ذریعہ حضور پیر قدوۃ الاولیاء سیدنا طاہر علاؤالدین القادریؒ کی ذات گرامی ہی تھی۔ آپؒ نے مجھے ہر قدم پر روحانی اعتبار سے سنبھالا ہے۔''

حضرت قبلہ سیدنا حضرت طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادیؒ نے تحریک منہاج القرآن پر اپنی ظاہری حیات میں جتنا کرم فرمایا اس پر تحریک منہاج القرآن جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ اس تحریک پر آج بھی حضور پیر صاحبؒ کا خاص کرم ہے اور آپ باطنی اور روحانی طور پر بھی اسی طرح تحریک کو نواز رہے ہیں جس طرح ظاہری طور پر آپ تحریک منہاج القرآن اور بانی تحریک کی دلجوئی اور سرپرستی فرماتے تھے۔ منہاج القرآن نے اپنے اس عظیم روحانی سرپرست کی توجہات اور فیوضات سے کٹھن سے کٹھن مرحلے طے کئے اور چہار دانگ عالم میں ترقی اور کامیابی کی منازل طے کی ہیں اور اب بھی اس کی جملہ کامیابیاں حضور پیر صاحبؒ کے روحانی فیوضات ہی کی مرہون منت ہیں۔

❀❀❀❀❀

حضرت فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کی زندہ جاوید کرامت آج ہمیں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ذاتِ مقدسہ کی صورت میں نظر آرہی ہے جو دعائے فرید کی تکمیل کے لیے پوری دنیا میں فیضانِ فرید کو تقسیم کرنے کا فریضہ سرانجام دینے کی جہدِ مسلسل میں مصروفِ عمل ہیں۔ تحریک منہاج القرآن کا بیج بھی فرید ملتؒ نے بویا تھا جو اب ایک گھنا سایہ دار و پھلدار درخت کی صورت اختیار کرکے چاردانگ عالم میں فیضانِ رحمت و برکت کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

16 شوال المکرم وہ دن ہے جب ایک مردِ قلندر، حق شناس، عشقِ الٰہی و عشقِ رسول ﷺ کا عملی پیکر محسنِ ملت، فریدِ ملتؒ عالم فنا سے بقا کی طرف عازم سفر ہوئے اور واصل حق ہونے کا اعزاز پایا۔ اسی دن آپ کا عرس مبارک آپ کے مزارِ اقدس واقع جھنگ میں نہایت تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔ چونکہ اب یہ عرس مبارک TMQ کا مرکزی Event بن چکا ہے۔ لہٰذا مرکز لاہور اور پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ بیرون ممالک سے بھی زائرین و محبینِ فرید ملتؒ کثیر تعداد میں جوق در جوق عرس مبارک کی تقریبات میں شرکت کے لیے تشریف لاتے ہیں۔

اس سال عرس مبارک کی خاص بات جگر گوشہ شیخ الاسلام اور فرید ملتؒ کے پوتے صاحبزادہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری مدظلہ کی آمد و خصوصی خطاب تھا۔ گوجرہ انٹر چینج سے لے کر جھنگ تک آپ کا جگہ جگہ پُرتپاک استقبال کیا گیا اور بڑی بڑی فلیکسز کے ذریعے خوش آمدید کہا گیا جو کہ ہر طرف راستے میں آویزاں تھیں۔ عرس مبارک کی تقریبات کا آغاز بعد نماز فجرِ تلاوت قرآن سے ہوا، جس میں طلبہ و طالبات دارالعلوم اور زائرین نے شرکت کی۔

بعد از نماز ظہر غسل مزار اقدس ہوا۔ مرکزی قائدین محترم جواد حامد نائب ناظم اعلیٰ ایڈمنسٹریشن کی قیادت میں نماز عصر سے قبل پہنچ گئے تھے۔ بعد نماز عصر متولی دربار فرید ملت صاحبزادہ محمد صبغت اللہ قادری کی سرپرستی میں جملہ قائدین و زائرین نے رسم چادر پوشی میں شرکت کی۔ چادر پوشی کا بھی بڑا پُرکیف نظارہ تھا۔ اور پھر سلام و دعا کے بعد گل پاشی سے قبر مبارک کو سجادیا گیا۔ مغرب کے بعد تمام مہمانانِ گرامی قدر کی خدمت میں پُر تکلف کھانا پیش کیا گیا۔

بعد از نماز عشاء مرکزی و خصوصی نشست محفل ذکر و نعت کا آغاز ہوا۔ جس میں ابتدائی طور پر تلاوت قاری مبشر عباس مدرس دارالعلوم ھذا نے کی اور جھنگ کے معروف نعت خواں محمد

آصف چشتی نے بارگاہِ سرور کونین ﷺ میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اس کے بعد باقاعدہ فخر القراء قاری سید خالد حمید کاظمی الازہری نے قرآنی آیات کا نور بڑے احسن انداز قرات میں بکھیرا۔ محمد شکیل طاہر، محمد شہزاد حنیف مدنی، الحاج محمد افضل نوشاہی، حافظ محمد ارشد نقشبندی اور شہزاد برادران نے اپنے مخصوص انداز میں وجد آفریں کیفیات کے ساتھ جب صدائے عشقِ رسول ﷺ کو بلند کیا تو حاضرین و ناظرین جھوم اٹھے اور اپنی روحوں کی تسکین کا سامان کیا۔

نقابت کے فرائض عالمی شہرت یافتہ نقیب صاحبزادہ تسلیم احمد صابری اور صفدر علی محسن نے بڑے احسن انداز سے نبھائے۔ صاحبزادہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری مدظلہ نے بڑی ہی دقیق اور تحقیقی موضوع کو بڑے ہی خوبصورت اور آسان فہم انداز میں یوں بیان کیا کہ پورا مجمع عش عش کر اٹھا۔ فرید ملتؒ کو جن فطری انعامات سے نوازا گیا، ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ان کا خوبصورت تذکرہ قرآن و سنت اور اولیاء و صالحین کے فرامین کی روشنی میں فرمایا۔ پھر قرونِ اولی کے اولیاء و صالحین کو جس طرح پاک صلبوں سے گزار کر خدمت دین متین کے لیے تیار کیا گیا، عشق الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کی مٹی میں گوندھا گیا اسی طرح فرید ملتؒ کا خمیر بھی پاکیزہ صلبوں سے گزارا گیا بلکہ انہیں عشق الٰہی کی بھٹی میں پکا کر ایسا کشتہ عشق رسول ﷺ بنا دیا گیا کہ وہ یہ فریضہ احسن انداز سے سرانجام دے سکیں۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ عمر رفتہ اپنے انجام کو پہنچ رہی ہے۔ لہذا مقام ملتزم پر کھڑے ہو کر یوں ملتجی بارگاہ الٰہی ہوگئے کہ مولا ایک ایسا فرزند عطا فرما جو تو نے میری ذات میں جمع فرما دیا ہے، اسے تقسیم کرنے کا فریضہ انجام دے سکے۔ اس دعائے فرید کی قبولیت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں ہوئی جنہوں نے فیضان مصطفی ﷺ اور فیضانِ فرید ملتؒ کو پوری دنیا میں اس احسن انداز میں پہنچایا کہ ساری دنیا اس حق ادائیگی کی معترف ہے۔ یقیناً آج اللہ تعالیٰ اس کا محبوب ﷺ اور روح فرید بے حد سرشار ہوگی اور ان سے راضی برضا ہوگی۔

صاحبزادہ صاحب کا باکمال خطاب بڑا جداگانہ اور پُر تحقیق انداز میں تھا لیکن اتنا آسان فہم کہ ہر کسی کی سمجھ میں آرہا تھا۔ خطاب سننے والوں کو نہ صرف حضرت فرید ملت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی نصیب ہوئی بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ولایت کے کس مقام و مرتبہ پر فائز تھے۔ آپ فرید ملت ہی نہیں بلکہ محسن دین و ملت بھی ہیں جنہوں نے 56 سالہ مختصر عرصہ حیات میں انبیاء و رسل سلف صالحین اور اولیائے کرام کا اتنا فیضان سمیٹا کہ آپ حضرت خضرؑ کی صحبت تک پہنچا دیئے گئے اور جس کا ثمر آپ کو شیخ الاسلام مدظلہ کی صورت میں عطا کیا گیا۔

حق اور سچ تو یہ ہے کہ صاحبزادہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے حضرت فرید ملتؒ کے پوتے ہونے کا حق ادا کیا اور ایسا وہی کر سکتے تھے۔ انھوں نے ثابت کیا کہ فیضانِ فرید کے امین نہ صرف ان کے بیٹے بلکہ پوتے بھی ہیں اور پھر اُن سے بھی اگلی فیضان فرید سے اپنے دامن کو بھر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ خاندان فرید ملتؒ کو ہمیشہ سلامت تا قیامت رکھے اور ان کے ذریعے فیضانِ فرید بھی ہمیشہ جاری و ساری رہے۔

اس مرتبہ دربار فرید ملت، گنبد، دارالعلوم کے چاروں اطراف اور گلی کو اتنا خوبصورت انداز سے سجایا گیا تھا کہ آنے والا کوئی بھی زائر تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا اور ہمارا اعزاز کہ شیخ الاسلام مدظلہ العالی، صاحبزادہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صاحبزادہ ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے دربار و گردونواح کی ڈیکوریشن W لائٹنگ کو بھی سراہا اور جملہ منتظمین عرس مبارک کو خصوصی سلام اور ہزار ہا مبارکباد سے نوازا۔

رات 3 بجے یہ پروگرام دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوا اور جملہ حاضرین میں تبرک تقسیم کیا گیا۔

❁❁❁❁❁

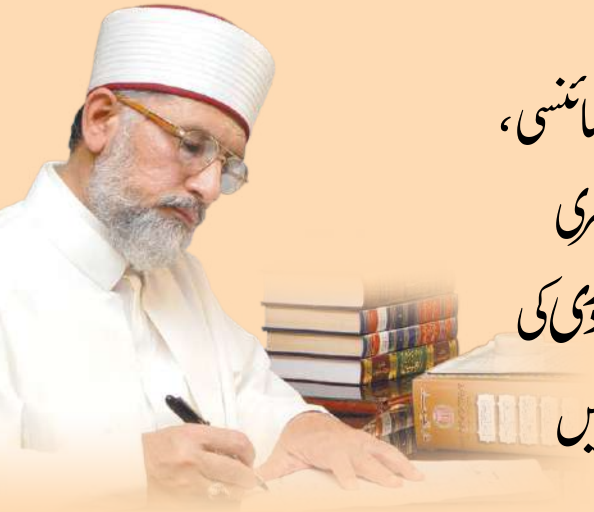

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 625 سے زائد کتب دستیاب ہیں

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
JUNE-2023
Regd CPL No.41

اعتکاف 2023ء کے موقع پر شائع ہونے والی نئی کتب